تفویض طلاق کا مسئلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبدالعزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

زیرِ سرپرستی:
عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبدالحفیظ صاحب قبلہ
سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ | ستمبر ۲۰۱۶ء | جلد نمبر ۴۰ شمارہ ۹

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ
دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور
اعظم گڑھ یو۔پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY
Mubarakpur. Azamgarh
(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 20 روپے
سالانہ: 200 روپے

چیک اور ڈرافٹ
بنام
مدرسہ اشرفیہ
بنوائیں

کوڈ نمبر ———— 05462
دفتر ماہنامہ اشرفیہ ———— 250149
الجامعۃ الاشرفیہ ———— 250092
دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلادیش، پاکستان، سالانہ
500 روپے
دیگر بیرونی ممالک
$ 20 امریکی ڈالر £ 15 پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

اداریہ

خاکِ ہند کی پانچ ریاستوں میں اسمبلی الیکشن

ایک مثبت جائزہ

مبارک حسین مصباحی

مارچ ۲۰۱۷ء کو خاکِ ہند کی پانچ ریاستوں میں اسمبلی کی مدت کار ختم ہو رہی ہے، یعنی اتر پردیش، پنجاب، اتراکھنڈ، گوا اور منی پور۔ ان پانچ ریاستوں میں دیر سویر ہونے والے الیکشن کے تعلق سے وسعت بھر تفصیلی تجزیہ کرنا اس مختصر تحریر میں بڑا مشکل ہے، یہ ایک سچائی ہے کہ ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے، اس میں کثیر مذاہب ہیں اور ہر مذہب کے ماننے والوں میں کثیر ذات پات کے لوگ ہیں، ہر مذہب اور ہر ذات کے لوگوں کے خیالات جداگانہ ہیں۔ عام طور پر لوگ اپنے ہی مفادات کو سامنے رکھتے ہیں۔ بیشتر لوگوں کو قانون کی بالادستی کا بھی خیال نہیں رہتا، بلکہ ان کا نشانہ اپنی ذات، اپنی برادری اور اپنا مذہب ہوتا ہے۔ حالاں کہ دستوری طور پر بڑی حد تک تمام لوگوں کے حقوق کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ سردست ہم کچھ اصولی تاثر پیش کرتے ہیں، ممکن ہے چند متحرک افراد کے ذہن و فکر کو اپیل کرے، وہ حالات کی تبدیلی کے لیے کوشش کریں اور کسی حد تک سیاسی حالات کا قبلہ صحیح رخ پر لے آئیں، بس اسی امید پر چند باتیں ذیل میں رقم کرتے ہیں۔

(۱) ہندو ہو یا مسلمان، سکھ ہو یا عیسائی، جو اچھا لیڈر ہو اسے کامیاب کرنا چاہیے، اس وقت ہمارے ملک میں ذات برادری کی سیاست فروغ پا رہی ہے، یہ ایک بڑی سیاسی غلطی ہے، اس سے سماج میں دوریاں بڑھتی ہیں، اتحاد کا شیرازہ بکھرتا ہے اور نتیجے کے طور پر فسادات ہوتے ہیں، جان و مال کا نقصان ہوتا ہے، اتحاد اور یک جہتی کا تصور ناپید ہونے لگتا ہے، ذات پات کی بنیاد پر جب الیکشن ہوتا ہے تو ناکام کامیاب ہو جاتا ہے اور کامیاب ہونے والا ناکام ہو جاتا ہے اور سماج کو فائدہ کے بجائے نقصان اٹھانا پڑتا ہے، ہاں اگر دلت مسلم اتحاد ہو تو اس کے دور رس نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

(۲) اقلیتوں اور خاص طور پر مسلمانوں کے بہت سے مسائل الجھے ہوئے ہیں، حالاں کہ قانونی طور پر انھیں حل ہو جانا چاہیے تھا، انھیں صرف تعصب اور ظلم و جبر کی بنیاد پر الجھایا گیا ہے۔ ان حالات میں اقلیتوں کو چاہیے کہ ان مسائل کی لسٹ بنالیں، اس اہم کام کے لیے منصف مزاج اہلِ سیاست اور دانش وروں کا سہارا لیں، در اصل کبھی کبھی بہت سی اہم باتیں ذہن میں نہیں آتی ہیں، باہم مشورہ کرنے سے وہ ساری باتیں بڑی حد تک کھل کر سامنے آجاتی ہیں، اس کے بعد اس فہرست کو بڑی پارٹی کے امیدواروں کو دکھائیں، ان میں جو تیار ہو یہ فہرست اس کے حوالے کر دیں، یہ دو باتیں ہوئیں۔ ہم نے کہا کہ بڑی پارٹی، یہ اس لیے کہا کہ چھوٹی پارٹیاں عام طور پر دو ایک سیٹیں لاتی ہیں اور کبھی کبھی زیرو ہی رہ جاتی ہیں، الیکشن کا نتیجہ آنے کے بعد وہ خود مجبور ہوتی ہیں کہ ان حالات میں ہم کیا کر سکتے ہیں، اگر کچھ سیٹیں آگئیں تو وہ خود کسی برسرِ اقتدار پارٹی کے رحم و کرم پر رہتی ہیں۔ دوسری بات ہم نے عرض کی ''جو قبول کرے'' حالاں کہ الیکشن کے موقع پر ہر امیدوار سب کچھ دینے کا وعدہ کرتا ہے، ان حالات میں پوری دور اندیشی کا مظاہرہ کریں، ان حالات میں معمولی غلطی بھی بڑے نقصان کے نتیجے کو سامنے لاتی ہے۔

(۳) ہندوستان میں ایک اہم مسئلہ ریزرویشن کا بھی ہے، یہ مسئلہ بڑا حساس اور کثیر جہتوں کو سمیٹے ہوئے ہے، الیکشن کا موقع بڑا نازک ہوتا ہے، اس موقع پر پارٹی یا امیدوار کی جانب سے کوئی بھی دعویٰ کر دیا جاتا ہے، اس لیے مطالبہ کرنے سے پہلے ماہرینِ قانون سے سمجھ لیا جائے کہ کس شعبے میں کتنا ریزرویشن مل سکتا ہے، بارہا ایسا ہوا ہے کہ الیکشن کے موقع پر کہہ دیا گیا اور بعد میں قانونی مجبوری دکھا کر ٹال دیا گیا، یا کامیابی کے بعد اس کا نام ہی نہیں لیا گیا، بہر حال یہ ایک وسیع الذیل مسئلہ ہے، اس پر بہت غور و فکر کرنے کے بعد ہی قدم آگے بڑھانا چاہیے۔

(۴) فرقہ وارانہ فسادات ہندوستان کا ایک دردناک مسئلہ ہیں، کسی فساد کے لیے کوئی ضروری نہیں کہ اس کی کوئی بنیاد بھی ہو، عام طور پر فساد کرنا اور قوم کو دو حصوں میں بانٹنا خود ایک مقصد ہوتا ہے، ہمارے ملک میں عام طور پر فسادات انھیں مطلوبہ مقاصد کے تحت کرائے جاتے ہیں اور کبھی کبھی معمولی باتیں بھی اہلِ سیاست کی خصوصی توجہ سے بڑے فسادات میں تبدیل کرا دی جاتی ہیں۔

(۵) زبان و بیان کا صحیح استعمال ایک انسان کے لیے بہت ضروری ہے، عام زندگیوں میں اس کا بہت لحاظ کیا جاتا ہے، خاص طور پر اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اس کا بھرپور استعمال کیا جاتا ہے، مگر افسوس بعض قائدین لوک سبھا، راجیہ سبھا اور اسمبلی میں دوسروں کو تکلیف پہنچانے کے لیے زبان کا بہت غلط استعمال کرتے ہیں، مقصد صرف ایک انسان کو پریشان کرنا نہیں ہوتا بلکہ اس کے ذریعہ ملک کی فضا خراب کرنا ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں اس قسم کے بہت سے حادثات موجود ہیں۔ اسی طرح بہت سے سیاسی اور نیم سیاسی قائدین اخبارات کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح یہی لوگ الیکٹرانک میڈیا اور دیگر ذرائع ابلاغ میں نازیبا بیانات داغتے رہتے ہیں۔ دلتوں اور مسلمانوں کے تعلق سے تو اس کی کثیر مثالیں ہیں۔ خواتین اور مسلمانوں کو تو اس کا خوب نشانہ بنایا جاتا ہے، ڈاڑھی، ٹوپی، کرتا، پائجامہ والے اس کی زد میں خوب رہتے ہیں۔ نقاب پوش خواتین پر بھی خوب پھبتیاں کسی جاتی ہیں۔ عام طور پر کہا جاتا ہے،: ''جاؤ پاکستان چلے جاؤ''، ''ہندوستان میں رہنا ہے تو بھارت ماتا کی جے بولنا ہوگا، وندے ماترم کے نعرے لگانے ہوں گے''، اور مسئلہ صرف بولنے تک ہی نہیں ختم ہوتا، بلکہ اس کے بطن سے جھگڑے، فساد اور قتل و غارت گری تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اس کے بعد جب پولیس گرفتاریاں شروع کرتی ہے تو ان میں بھی مظلوموں ہی کی تعداد زیادہ ہوتی ہے، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ اس قسم کے فسادات بلکہ اکثر فسادات میں پولیس کی یک طرفہ طرف داری صاف نظر آتی ہے اور پولیس نہ صرف مردوں کو نشانہ بناتی ہے بلکہ گھروں میں داخل ہو کر عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ بھی غلط حرکتیں کرتی ہے۔ بعض مواقع پر تو پولیس خاموش تماشائی بنی رہتی ہے اور عورتوں کی عصمتیں لٹتی رہتی ہیں، بعض مواقع پر انھیں موت کے گھاٹ بھی اتار دیا جاتا ہے۔

(۶) دہشت گردی بھی اس وقت عالمی اور ملکی مسئلہ بنا ہوا ہے۔ یہ ایک سچائی ہے کہ اس میں صرف نام نہاد مسلمان نہیں بلکہ ہندو، یہودی، عیسائی اور سکھ وغیرہ سبھی شامل ہیں۔ یہ بات بار بار دہرائی جا چکی ہے کہ اس دہشت گردی سے سچے پکے مسلمانوں کا کوئی تعلق نہیں ہے، اسلام میں نہ خودکشی جائز ہے اور نہ حالتِ جنگ میں بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو نشانہ بنانے کی اجازت ہے، بلکہ ہرے بھرے درختوں تک کو اجاڑنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ ان حالات میں کیسے کہا جا سکتا ہے کہ مسلمان دہشت گردی کر سکتے ہیں۔ مگر افسوس صد افسوس یہ کہ دہشت گردی کا کوئی حادثہ سامنے آتا ہے تو سب سے پہلے کسی نام نہاد مسلم تحریک کا نام سامنے آتا ہے اور آنکھیں بند کر کے مسلم نوجوانوں کی گرفتاری کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ دردناک بات یہ ہے کہ کیا ضروری ہے کہ ہر معاملے میں مسلمان ہی ہو، کیا اس کے پیچھے کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا، مگر ان کا نام کون لے اور انھیں گرفتار کرانے کی جرأت کون کرے، اور اگر کوئی جرأت کرتا ہے تو خود گرفتار ہونے کے لیے تیار ہو جائے اور تحقیقات کا اعلان کر دیا جاتا ہے، ان تحقیقات کو اتنا دراز کر دیا جاتا ہے کہ عام ذہنوں سے ان دردناک حادثات کے اثرات ختم ہو جاتے ہیں۔ الیکشن کے مواقع پر اس قسم کی پارٹیوں اور اس قسم کے نمائندوں کو بھی نظر انداز کیا جانا چاہیے۔ بہت سوچ سمجھ کر صاف ستھرے اور انصاف پسند نمائندوں کو کامیاب بنانے کی کوشش کرنا چاہیے۔

(۷) سنی اوقاف کے مسائل ہوں یا شیعہ اوقاف کے، یہ اوقاف بھی ملک بھر میں پھیلے ہوئے ہیں، اس حوالے سے ماضی سے لے کر تا حال بہت احتجاجات اور کانفرنسیں ہو چکی ہیں اور یہ سلسلے آج بھی جاری ہیں۔ کبھی کبھار سختیوں کا مظاہرہ کیا جاتا ہے مگر مسائل جوں کے توں رہتے ہیں۔ آپ ذرا غور کریں کہ یہ سنی اوقاف عام طور پر خانقاہوں، مدارس، مساجد اور دیگر اہم چیزوں کے ہیں، مگر افسوس ان اوقاف پر بھی غیروں کے قبضے ہیں، بلکہ کتنے مقامات پر گورنمنٹ کے سیاسی، سماجی اور دیگر امور سے متعلق استعمال ہو رہے ہیں، ہمارا عرض کرنا یہ ہے کہ الیکشن کے مواقع پر اوقاف کے مسائل پر بھی تیز نظر رہنا چاہیے، عوام کو چاہیے کہ اپنے اپنے اوقاف کی لسٹ بنا کر امیدواروں کو پیش کریں، دراصل الیکشن کے موقع پر تو ہر امیدوار دلاسا دیتا ہے کہ ہم ان مسائل کو حل کر دیں گے، مگر ووٹ دینے سے پہلے تمام گوشوں پر کڑی نظر رکھی جائے، ایسا نہ ہو کہ ووٹ بھی خراب ہو اور امیدوار نکل بھی نہ پائے، بلکہ ووٹ دینے سے قبل یہ غور کرنا چاہیے کہ پارٹی کا نقطۂ نظر کیا ہے اور امیدوار میں دم خم کتنا ہے۔

اور اب سب سے اہم مسئلہ:

اب ہم آخری اور سب سے اہم مسئلہ کی جانب آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں، اس وقت مودی حکومت نے ملک بھر میں ہندوؤں کی ماں گائے کے تحفظ کا مسئلہ پیدا کر رکھا ہے۔ اس حوالے سے ملک کے مختلف علاقوں میں اور اس کے اجزا سے بننے والی چیزوں کی حفاظت میں بری طرح لگ گئے ہیں۔ ملک کے مختلف گوشوں میں مسلمانوں اور دلتوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ مردوں اور عورتوں پر ظلم و تشدد کی انتہا کر دی گئی ہے، کئی افراد کو غلط رپورٹ کی بنیاد پر موت کے گھاٹ بھی اتار دیا گیا ہے۔ دادری میں ہجوم کے ہاتھوں بے دردی سے قتل کیے جانے والے

جناب اخلاق احمد کے خانوادے کو گئوکشی کے الزام میں پھنسا کر گرفتار کیے جانے کی کوشش کو الہ آباد ہائی کورٹ نے زبردست جھٹکا دیا ہے۔ اخلاق احمد کے وکیل سید فرمان احمد نقوی کے مضبوط دلائل سننے کے بعد ہائی کورٹ کی دو رکنی بنچ نے حکم امتناعی جاری کرتے ہوئے اخلاق احمد کے بیٹے دانش، اخلاق احمد کی والدہ اصغری، ان کی اہلیہ اکراماً، بیٹی شائستہ اور سونا ظفر الدین کی اہلیہ کی گرفتاری پر روک لگا دی ہے، مگر ان کے بھائی جان محمد کو راحت نہیں دی ہے۔ واضح ہو کہ ان سب کے خلاف سورج پال نے جارچہ تھانہ ضلع گوتم بدھ نگر میں ایف آئی آر درج کرائی تھی، ایف آئی آر میں گئو کشی کے واقعہ کو ہی قتل کی وجہ بتایا گیا تھا۔ خیال رہے کہ گئوکشی کا بہانہ بنا کر اخلاق احمد کو ان کے گھر سے گھسیٹ کر مار مار کر ہلاک کر دیا گیا اور ان کے بیٹے کو زخمی کر دیا گیا تھا۔ اس کیس میں بساہڑا گاؤں کے دس لوگوں کو نامزد کیا گیا تھا اور ۱۲ر گمنام افراد کے نام بھی شامل تھے۔ بحث کا محور یہ تھا کہ ساڑھے ۹ر مہینے کے بعد لکھوائے گئے اس مقدمے میں سورج پال مدعی ہے، جب کہ واقعہ سے ان کا دور دور کا واسطہ نہیں تھا، نہ وہ گواہ ہیں، نہ انھوں نے ایسا کوئی واقعہ دیکھا ہے، جن لوگوں نے اس واقعہ کو دیکھا ہے وہ کبھی پولیس کے سامنے نہیں آئے نہ انھوں نے ایسا کوئی بیان درج کرایا۔ دوسری دلیل یہ تھی کہ یہ رپورٹ اس فورنسک سائنس لیب متھرا کی اس رپورٹ پر منحصر ہے کہ جس پر بھی کچھ بھروسا نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ وہ رپورٹ قانونی طریقے سے حاصل نہیں کی گئی۔ متھرا لیب کی رپورٹ پر اس لیے بھروسا نہیں کیا جاسکتا کہ جو گوشت ٹرانس فارمر کے پاس سے پولیس نے برآمد کیا تھا اس کا وزن برآمدگی کے کاغذات میں ۲ر کلو لکھا تھا، جب کہ مویشیوں کے اسپتال میں جب مبینہ گوشت پہنچا تو وہاں کے ڈاکٹر نے اس کا وزن چار سے پانچ کلو لکھا اور جب اسے گوتم بدھ نگر کے مویشی اسپتال میں اسے بکرے کا گوشت پایا گیا، اب جب متھرا کی لیب میں اسے بھیجا گیا تو اسے پلاسٹک کے ڈبے میں رکھ کر بھیجا گیا لیکن جب یہ گوشت متھرا لیب میں پہنچا تو شیشے کے جار میں پہنچا، ایسے میں اس رپورٹ پر یقین کرنا غیر قانونی ہوگا۔

گجرات کے شہر اُنا میں مردہ گائے کا چمڑا نکالنے کے جرم میں چار دلتوں کو جانوروں کی طرح پیٹا گیا، اس دہشت ناک منظر کی ویڈیو بھی انٹر نیٹ پر وائرل ہوئی، اسی طرح مدھیہ پردیش کے مندسور اسٹیشن پر ایک حیرت انگیز حادثہ ہوا کہ بھگوا دہشت گردوں نے دو مسلم خواتین پر گائے کا گوشت لے جانے کا فرضی الزام لگایا، اور ان کی سرِ عام پٹائی کی گئی، مقامِ حیرت و افسوس یہ ہے کہ مسئلہ صرف گائے کے ذبح کرنے کا نہیں ہے، بلکہ ان سے بنے سامان پر بھی سخت نظر ہے۔ ایک غیر مسلم بیگ لے کر آٹو رکشا میں بیٹھا، پہلے تو رکشا والے نے اس سے معلوم کیا کہ یہ بیگ کس چیز کا بنا ہے اور اس کے بعد ایک حساس مقام پر روکا اور چند لوگوں کو متوجہ کر کے ان سے مراٹھی میں گفتگو کی، ان لوگوں نے اس سے سوال کیا کہ یہ بیگ گائے کی کھال کا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ اونٹ کی کھال کا ہے، مگر جب اس نے اپنا نام غیر مسلم بتایا تو اس کی جان بچی۔ اسی طرح ایک موقع پر بے جے پی والوں نے غلط شبہے میں اپنے ہی ایک فرد کو جان سے مار دیا۔

ان تمام حالات میں حیرت کا مقام یہ ہے کہ وزیر اعظم خوب جانتے ہیں کہ ہم نے اگر راجیہ سبھا یا لوک سبھا میں زبان کھولی تو اس کی ایک قانونی حیثیت بنے گی، اس لیے انھوں نے گجرات کے شہر اُنا میں چار دلتوں کے تعلق سے جو دہشت ناک حادثہ پیش آیا تو اس کے خلاف پورے گجرات میں اور راجیہ سبھا سے لے کر اتر پردیش تک میں جب ہنگامہ ہوا اور احمد آباد میں باضابطہ ایک ریلی نکالی گئی، جس میں دلتوں کی بڑی تعداد کے ساتھ مسلمانوں نے بھی حصہ لیا، جب مودی کو یہ احساس ہوا کہ اب بھی ہم نے زبان نہیں کھولی تو گجرات اور دیگر صوبوں کے دلت اور مسلمان متحد ہو کر ہمیں نقصان پہنچائیں گے، تو انا شہر کے ٹھیک ۲۰ر دن بعد حیدر آباد کے ایک اسٹیج پر درج ذیل بیان دیا۔

"اگر مارنا ہے تو مجھے مار لیجیے، میرے دلت بھائیوں کو مت ماریے، اگر گولی مارنا ہے تو مجھے گولی مار لیجیے میرے دلت بھائیوں کو مت ماریے۔"

مودی جی نے یہ بیان راجیہ سبھا یا لوک سبھا میں نہیں دیا کہ ایک دستاویز بن جائے اور انھیں اور ان کی پارٹی کو جواب دہی کی منزل میں کھڑا ہونا پڑے، بلکہ ایک عوامی اجلاس میں بیان دیا کہ بات آئی گئی ہو جائے، اس طرح انھوں نے روہت ویمولا کے تعلق سے لکھنؤ میں روتے ہوئے ڈراما کیا مگر ہوا کیا، ویمولا کو خودکشی کرنے پر مجبور کرنے والے مرکزی وزیر بنگارو دتاتریہ، اس وقت کی ایچ آر ڈی منسٹر اسمرتی ایرانی اور حیدر آباد یونیورسٹی کے وائس چانسلر میں سے کسی کے خلاف ابھی تک کوئی کارروائی نہیں ہوئی، آخر اس رونے کا کیا مطلب تھا؟ اسی طرح انھوں نے جلتے ہوئے کشمیر کے تعلق سے مسلسل خاموشی اختیار کی اور بیان بھی دیا تو مدھیہ پردیش میں جا کر۔ اسی طرح انھوں نے دہلی کے ایک عوامی اجلاس میں گئو رکشکوں کے تعلق سے مندرجہ ذیل بیان دیا:

"گئو رکشکوں کے نام پر جو لوگ سرگرم ہیں، ۷۰، ۸۰ فی صد ایسے لوگ ہیں جو رات میں جرائم میں شامل رہتے ہیں اور دن میں گئو رکشکوں

کالباس پہن لیتے ہیں۔"

احمد آباد میں دلتوں اور مسلمانوں نے بی جے پی حکومت کے خلاف ریلی نکالی اور دلتوں نے اپنے غم وغصے کا اظہار کرتے ہوئے اعلان بھی کیا کہ وہ اب نہ مردہ گائے کی کھال نکالیں گے، اور نہ ہی دیگر جانوروں کو اٹھائیں گے، مگر افسوس مودی جی نے حیدر آباد کے ایک عام اجلاس میں اعلان تو کیا مگر مجرموں کے تعلق سے کسی سخت کارروائی کا کوئی حکم جاری نہیں کیا۔ احمد آباد اسمبلی میں کانگریس کے ۴۴/ اراکین نے دلتوں کی حمایت میں آواز اٹھائی۔ ۲۳/ اگست ۲۰۱۶ء کو کانگریس اراکین اسمبلی ہاتھوں میں تختیاں لیے ہوئے صدر کی کرسی کے سامنے نعرے بازی کررہے تھے، انھوں نے بنچوں پر چوڑیاں بھی پھینکیں، اس دوران ایوان میں وزیر اعلیٰ وجے روپانی اور اہم وزرا بھی موجود تھے، پہلے اسپیکر نے انھیں پر سکون ہونے کے لیے کہا، لیکن جب وہ خاموش نہیں ہوئے تو ۴۴/ اراکین کو ایک دن کے لیے معطل کردیا، بی جے پی اقتدار والی ریاست گجرات میں کانگریس کے ۵۶/ ممبران ہیں۔ ان حالات میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ بی جے پی کو ووٹ دیں یا مسترد کردیں، ان پانچ ریاستوں میں فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔

یو.پی. کا الیکشن اور ہماری ذمہ داریاں: اب ہم خاص طور پر بات کریں گے ۲۰۱۷ء کے یوپی الیکشن کی، ممکن ہے یہاں کا الیکشن ۲۰۱۶ء کے آخر میں ہی ہوجائے، اس تعلق سے اہلِ دانش اور عوام کے درمیان باتیں تو مختلف قسم کی ہورہی ہیں، مگر ان پر عمل بڑا مشکل نظر آرہا ہے۔ عام طور پر کہا جارہا ہے کہ یہاں بھی بہار اور دہلی جیسا ماحول بن جائے گا، مگر بظاہر اس کے حالات نظر نہیں آتے، یہاں کے باشندوں میں جو بدعہدی اور فکری انتشار ہے، اس کے پیش نظر ایسا نہیں لگتا کہ اتحاد ہوجائے اور اگر اتحاد ہو ہی جائے تو کوئی یقینی نہیں کہ کامیاب رہے گا بھی یا نہیں۔ اب اس وقت بڑی پارٹیوں میں چار پارٹیاں ہیں، سماج وادی پارٹی، بہوجن سماج پارٹی، بی جے پی اور کانگریس، میڈیا والوں نے آنکڑے دینا بھی شروع کردیے ہیں، مگر سچی بات یہ ہے کہ ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا، بس ذہن میں رہے کہ بی جے پی کو چھوڑ کر جہاں جی چاہے اپنا ووٹ دیں، لگتا تو ایسا ہی ہے کہ شاید کوئی ایک پارٹی برسرِ اقتدار نہیں آئے گی، اس لیے کم از کم دو پارٹیوں کے گٹھ بندھن سے ہی حکومت بن پائے گی، اس لیے اگر ان تین میں الیکشن سے پہلے دو بھی متحد ہو جائیں تو بہت بہتر ہوگا، اور یہ اتحاد باضابطہ تحریری اصول کی روشنی میں ہونا چاہیے۔

اب رہ جاتی ہے بات چھوٹی چھوٹی مسلم پارٹیوں کی، ان کا مقصد حکومت بنانا نہیں بلکہ مسلم ووٹ تقسیم کرنا ہے، ابھی حال ہی میں یوپی میں ۲۰۱۷ء کے انتخابات کے موقع پر جن مسلم پارٹیوں نے اس بار متحدہ محاذ بنایا ہے، وہ یہ ہیں: پیس پارٹی، علما کونسل، مسلم لیگ، مسلم مجلس، انڈین یونین مسلم لیگ، انڈین نیشنل لیگ، ویلفیئر پارٹی آف انڈیا، سوشل ڈیموکریٹک فرنٹ آف انڈیا، پرچم پارٹی اور مسلم بیداری فورم، ان سے بھی ہماری یہی گذارش ہے کہ تمام سیٹوں پر اپنے امیدوار کھڑے نہ کرکے چند سیٹوں پر ہی کھڑے کریں، اور طے شدہ شرائط کے ساتھ متحدہ محاذ میں شامل ہوجائیں، یہ ان کے لیے بھی بہتر ہوگا اور صوبہ اترپردیش کے لیے بھی۔ اللہ تعالیٰ غیب سے کوئی انتظام فرمائے جو ملک وملت کے لیے بہتر ہو۔

(ص: ۵۴ کا بقیہ)...... آپ کے چند اداریوں کا مجموعہ "مقالاتِ اندرابی" شاہ ہمدان میموریل ٹرسٹ کی جانب سے شائع ہوچکا ہے، مکمل مجموعہ عالمانہ اور صحافیانہ فکر وبصیرت سے بھرپور ہے۔ اس اہم کتاب کے ساتھ مزید چند کتابیں بھی ہمیں موصول ہوئیں، بروقت ان دو کتابوں کا نام ذہن میں آرہا ہے: اسلام کیا ہے؟ گلدستہ اسلام اور صورِ اسرافیل، وغیرہ۔

موصوف گوناگوں اوصاف وکمالات کے حامل تھے، برادرِ گرامی وقار صوفی محمد سبحان پانپوری کا فون آیا تھا کہ حضرت کی طبیعت سخت علیل ہے، یہ سن کر ہم نے گہرے رنج وغم کا احساس کیا اور حضرت کی صحت وسلامتی کے لیے دعا کی اور صوفی صاحب سے کہا کہ آپ حضرت کے تعلق سے خود ہی معلومات نوٹ فرمادیں، موت تو برحق ہے، "کل نفسٍ ذائقة الموت" کی روشنی میں کسی کو اس سے چھٹکارا نہیں ہے۔ اس کے دو ایک ہفتے بعد ان کے وصال پر ملال کی بھی الم ناک خبر سنائی، ہم نے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا اور ان کے لیے ایصالِ ثواب بھی کیا، جامعہ اشرفیہ کے ہونہار طالب علم قاضی شکیل احمد مصباحی نے بھی خبر دی کہ ان کے وصال کی خبر سن کر جموں وکشمیر کے طلبہ نے جامعہ اشرفیہ میں بزمِ ایصالِ ثواب منعقد کی اور ان کے درجات کی بلندی کے لیے دعائیں کی گئیں۔

اب ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ مولا تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل ان کی مغفرت فرمائے، ان کی وسیع علمی اور دعوتی خدمات کو قبول فرمائے، پس ماندگان اور متعلقین کو صبر وشکر کی توفیق خیر عطا فرمائے، آمین، بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔ از: مبارک حسین مصباحی

فقہی تحقیق

اسلام کا نظامِ طلاق

زندگی کی شاہ راہوں سے جڑے تفویضِ طلاق کے عادلانہ اصول، فسخ نکاح کے منصفانہ ضابطے اور فطری تقاضے

مفتی محمد نظام الدین رضوی

نکاح میاں، بیوی کے درمیان ایک خاص قسم کا معاہدہ ہے جس کی وجہ سے عورت کے بہت سے حقوق شوہر کے ذمہ لازم ہو جاتے ہیں مثلاً رہائش کے لیے گھر کا انتظام، پہننے کے لیے لباس اور کھانے، پینے کے لیے غذا وغیرہ کا انتظام، اور اس کے ساتھ حسن معاشرت و جنسی حقوق وغیرہ۔ انھیں حقوق اور ذمہ داریوں سے شوہر کے خاص طرح سے سبک دوش ہونے کا نام طلاق ہے۔ طلاق کے ذریعہ شوہر عورت کی حق تلفی نہیں کرتا، بلکہ اس کے حقوق سے اپنے آپ کو آزاد کر لیتا ہے اس لیے اسلام نے طلاق کا اختیار شوہر کے ہاتھ میں دیا ہے۔

کوئی شخص اپنی مرضی سے کسی تنظیم، تحریک، کمپنی، ادارے یا پارٹی کی رکنیت یا کوئی ذمہ داری قبول کر کے اس کی فلاح و بہبود اور ترقی و فروغ کے لیے کام کرنے کا معاہدہ کرتا ہے پھر اسے کوئی شکایت ہوتی ہے تو اسے اختیار ہوتا ہے کہ استعفادے کر اس تنظیم یا تحریک وغیرہ کے حقوق اور ذمہ داریوں سے اپنے کو آزاد کر لے اور آئے دن ایسا ہوتا بھی رہتا ہے اور کوئی صاحبِ عقل و بصیرت اسے پارٹی یا تنظیم وغیرہ کی حق تلفی نہیں تصور کرتا، نہ اسے حقوق انسانی کی پامالی سمجھتا ہے کہ یہ تو اپنے ذمہ عائد ہونے والے حقوق اور ذمہ داریوں سے اپنے آپ کو سبک دوش اور آزاد کرنا ہے، اس کا کسی کے حق کی پامالی سے کیا تعلق، اسی لیے ہر پارٹی اور ہر تنظیم و ادارہ کے دستور میں اسے پارٹی اور تنظیم کو چھوڑنے کا اختیار ہوتا ہے۔ اس مثال کی روشنی میں طلاق کے حق کو بھی سمجھنا چاہیے کہ یہ شوہر کی طرف سے ایک طرح کا استعفا ہے، لہٰذا اسے کسی حقِ انسانی کی پامالی نہیں سمجھنا چاہیے اور یہاں میرا مقصود بس اسی کی تفہیم ہے۔

قرآن حکیم کی بہت سی آیات اور رسول اللہ ﷺ وسلم کی کثیر احادیث میں طلاق کا ذکر ملتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خداے پاک کا قانون ہے جو انسانیت سے بہت ہم آہنگ اور فطری تقاضوں کے مطابق ہے۔ عقل سلیم یہ باور کرتی ہے کہ جب میاں، بیوی کے درمیان رنجش اس حد کو پہنچ جائے کہ دونوں میں نباہ کی گنجائش نہ رہ جائے تو دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو کر چین و سکون کی زندگی بسر کرنے کے راستے اپنا سکتے ہیں اور اس جدائی کا راستہ طلاق ہے اگر ایسا نہ ہو تو دونوں ایک دوسرے کے لیے الگ الگ حالات میں وبالِ جان اور سوہانِ روح بن سکتے ہیں۔ بیوی کو اگر شوہر کسی وجہ سے نامنظور ہو اور اس کے مذہب میں چھٹکارا پانے کی کوئی راہ نہ ہو تو وہ مجبور ہو کر شوہر کی زندگی کا، بلکہ کبھی کبھی اپنی بھی زندگی کا فیصلہ کر لیتی ہے۔ یوں ہی اگر شوہر کو یہ معلوم ہو کہ اس کے مذہب میں اس کی ظالم بیوی سے چھٹکارے کی راہ بند ہے تو وہ بھی کچھ اسی طرح کا اقدام کر سکتا ہے اور ایسا ہوتا بھی ہے، اخبارات میں اس طرح کی خبریں برابر شائع ہوتی رہتی ہیں لیکن جب انھیں یہ یقین ہو گا کہ ہمارے مذہب میں تعلقات کی خرابی کی صورت میں نکاح کے بندھن کو کھول کر آزاد فضا میں سانس لی جا سکتی ہے تو وہ ایک دوسرے کی زندگی کو برباد کرنے کے بجائے وہی راستہ اپنائیں گے جس میں دونوں کے لیے عافیت اور سلامتی ہو۔ اسلام کے اس فطری نظام کے خلاف آواز اٹھانا یا اس کو ختم کرنے کے لیے کورٹ کا سہارا لینا دانشمندی کی بات نہیں، بلکہ حق یہ ہے کہ یہ دینِ فطرت کے خلاف بڑا ہی غیر منصفانہ اقدام ہے۔

طلاق اسلام میں ناپسندیدہ امر ہے مگر کچھ خاص مجبوریوں کی صورت میں اس کی اجازت بھی ہے اور ایک ساتھ تین طلاقیں دینا تو ایک طرح کا مجرمانہ عمل و گناہ بھی ہے تاہم طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ گناہ ہونے کی وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ طلاقیں نہیں پڑیں یا ایک ہی طلاق پڑی جیسے کسی کو ناحق پتھر مارنا ایک مجرمانہ عمل اور گناہ ہے تاہم کوئی مارے گا تو مار کھانے والے کو چوٹ ضرور لگے گی اور تین پتھر مارے گا تو تین چوٹیں لگیں گی اور یہ کہہ کر اسے نہیں ٹالا جا سکتا کہ مارنے والے نے نادانی کی ہے یا گناہ کیا ہے اس لیے مار کھانے والے کو چوٹ نہیں لگی یا ایک ہی چوٹ لگی۔ یا کسی کو شراب پلانا، زہر کھلانا بھی بلا شبہہ حرام و گناہ اور نادانی کا کام ہے مگر صرف اس وجہ سے ان کو بے اثر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ حرام و گناہ ہیں اور اسلام ان کی اجازت

صدر المدرسین و صدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور mdnizamuddinrizvi@gmail.com

نہیں دیتا۔ اسلام میں ان کی ممانعت یا ان کا حرام و گناہ ہونا اپنی جگہ حق و درست ہے مگر ان کے برے اثرات سے انکار نہیں کیا جا سکتا، یا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تین بار زہر کا گھونٹ پینے سے صرف ایک بار اثر ہوگا اور شراب کے تین گھونٹ حلق سے اتارنے پر صرف ایک گھونٹ اپنا کرشمہ دِکھائے گا، اسے یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ کسی کو گالی دینا حرام و گناہ ہے، اسلام نے اس سے سخت ممانعت فرمائی ہے تاہم اگر کوئی کسی صاحبِ عزت و وجاہت انسان کو ایک ساتھ تین بار گالیاں دے دے تو اس کا شیشۂ دل اس سے ضرور زخمی ہوگا اور ایک بار نہیں، تین تین بار زخمی ہوگا، یہ الگ بات ہے کہ وہ دیکھنے کی چیز نہیں اس لیے اس کا مشاہدہ نہیں ہو سکتا، اب کوئی یہ کہے کہ ان سب گالیوں میں ضرب کاری کی تاثیر کہاں، کسی ایک گالی سے کچھ ٹھیس پہنچتی ہے تو اس کے لیے خدا سے دعا ہی کی جا سکتی ہے، الغرض اگر یہ طرز فکر غیر دانش مندانہ اور غیر منصفانہ ہے اور تقاضاے فطرت کے خلاف ہے تو تین طلاقوں کے بارے میں وہ بات بھی غیر دانش مندانہ اور تقاضاے فطرت کے خلاف ہے۔

احادیث نبویہ یہاں تک کہ احادیثِ صحیح بخاری بھی شاہد ہیں کہ تین طلاقیں دینے سے تینوں واقع ہو جاتی ہیں، قرآن حکیم کا فرمان بھی یہی شہادت دیتا ہے اور اسی پر ہمارے چاروں مذہب کے اماموں – امام اعظم ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم – اور اُن ماننے والے کروڑہا کروڑ بے شمار مسلمانوں کا اتفاق و اجماع بھی ہے اس لیے اس کے خلاف کوئی اقدام مسلم پرسنل لا میں صریح مداخلت اور نہ صرف ہندوستان، بلکہ ساری دنیا کے بے شمار مسلمانوں کی دِل آزاری ہے اگر کچھ خواتین اس طرح کی آواز اٹھاتی ہیں تو اربابِ فہم و دانش کو انھیں سمجھانے کی کوشش کرنا چاہیے۔ معاشرے میں سب یکساں نہیں ہوتے، اللہ نے پانچوں انگلیاں برابر نہیں رکھیں، اس لیے ہماری حکومت اور ہمارے فاضل جج ان باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں۔ باتیں سب کی سنی جاتی ہیں مگر فیصلہ وہ کیا جاتا ہے جو اربابِ دانش کے دل کی آواز اور بالخصوص مذہب آسمانی کا پاسبان ہو۔

ہاں ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی شوہر بے رحم مل جاتا ہے اور بیوی کو ستاتا ہے، اسے لٹکائے رکھتا ہے جس کے باعث اس کی زندگی بھنور میں پھنسی رہتی ہے اور وہ اس کے آزار سے اس لیے چھٹکارا نہیں حاصل کر پاتی کہ طلاق کا اختیار اس کے ہاتھ میں نہیں، یا کبھی شوہر نامرد ہوتا ہے اس لیے عورت کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے اور شوہر اس کو چھوڑنا نہیں چاہتا، یا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یتیم بچی کا نکاح دور کے رشتہ والے غیر مناسب شخص کے ساتھ کر دیتے ہیں اور یہ اس کے لیے باعث اذیت ہوتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ شوہر پردیس گیا اور لاپتہ ہو گیا اس کی زندگی و موت کا کوئی حال نہیں معلوم ہوتا اور عورت اس کے گھر پر بے سہارا نان و نفقہ سے محتاج ہونے کے ساتھ وظیفۂ زوجیت سے بھی محروم ہوتی ہے۔ اور ان کے سوا بھی اس کی زندگی میں دوسری مشکلات پیش آتی رہتی ہیں جن سے دنیا اس کی نگاہوں میں تاریک سی نظر آتی ہے —— اس کا علاج کیا ہے؟ کیا اسلام نے اس کی زندگی کو معمول پر لانے اور خوش گوار بنانے کے لیے کچھ انتظامات کیے ہیں؟ یہی وہ فکر انگیز سوال یا نازک موڑ ہے جہاں بعض خواتین پہنچ کر واویلا مچانے لگتی ہیں، کیوں کہ وہ یہ سمجھتی ہیں کہ اسلام نے صرف شوہر کو طلاق کا اختیار دے کر مصیبت زدہ اور بے سہارا عورتوں سے صَرفِ نظر کیا ہے اور جب انھیں کوئی حل نظر نہیں آتا تو وہ کورٹ کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہیں۔

ہم ایسی بہنوں کو خاص کر اور تمام انسانی برادری کو عام طور پر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسلام میں سارے آپشن (Option) کھلے ہوئے ہیں اور اس نے یتیم بچیوں اور دوسری بلاؤں میں پھنسی ہوئی عورتوں کو وہ سہارا عطا کیا ہے جسے محسوس کر کے زبانِ دل بے ساختہ رحمتِ اسلامی کی قائل ہو جاتی ہے۔

اسلام ایسی عورتوں کو بڑی فراخ دلی اور بشاشت کے ساتھ یہ اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنے علاقے کے سب سے بڑے عالمِ دین، مرجعِ فتوی کے یہاں عرض حال کریں، پھر وہ جانچ کرے اور بیانات درست ہوں تو کچھ ضروری کارروائی کے بعد نکاح فسخ کر کے بعدِ عدّت عورت کو اپنی صواب دید کے مطابق دوسرے شخص سے نکاح کی اجازت دے دے۔

ہمارے یہاں دار الافتا جامعہ اشرفیہ [مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ، اتر پردیش، ہند] میں ایسے تمام امور کی سماعت ہوتی ہے اور تفتیش و تحقیق کے بعد فیصلہ صادر کر کے عورتوں کی خوش گوار زندگی کا سامان مہیا کیا جاتا ہے۔

شوہر کے ممکنہ ظلم یا اس پر افتاد کی صورت میں مصیبت سے رہائی کی ایک صورت "تفویضِ طلاق" بھی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عورت یا اس کا وکیلِ نکاح جب نکاح کا ایجاب کرے تو اس میں یہ شرط لگا دے کہ شوہر کی طرف سے پیش آنے والی مصیبت کی صورت میں اسے

اپنے آپ کو طلاق بائن دینے کا حق حاصل ہوگا۔ اگر مرد عورت کی اس شرط کو نکاح میں قبول و منظور کر لیتا ہے تو اس کی طرف سے کوئی ظلم و زیادتی ثابت ہونے یا اس کے لاپتہ ہونے پر بیوی کے مصیبت سے دوچار ہونے کی صورت میں اسے یہ حق ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو طلاق دے کر آزاد کر لے۔ فقہِ اسلامی کی صدیوں پرانی کتابوں۔ جیسے فتاوی قاضی خاں، ہدایہ، فتح القدیر، نہایہ، تبیین الحقائق، بحر الرائق، در مختار وغیرہ ۔ میں اور اردو زبان کی معروف و مستند کتابوں ۔ جیسے فتاوی رضویہ اور بہار شریعت وغیرہ۔ میں بھی اس کے بارے میں واضح تصریحات موجود ہیں۔ بلکہ اس کی بعض صورتوں کا ذکر تو صحیح بخاری و صحیح مسلم کی حدیثوں میں بھی ہے اور اس طرح اس کا تاریخی رشتہ عہدِ رسالت سے جڑا ہوا ہے، "تفویض طلاق" کا معنی ہے "طلاق کا اختیار سونپ دینا" چوں کہ ہونے والا شوہر عورت یا اس کے وکیلِ نکاح کے ذریعہ پیش کی گئی شرط پر اسے طلاق کا اختیار سونپ دیتا ہے اس لیے اسے بھی طلاق دینے کا حق مل جاتا ہے۔

اصل مالک طلاق کا، شوہر ہی ہے اور یہ بات سماج کے ہر صاحبِ فہم پر روشن ہے کہ کسی چیز کا مالک اپنے اختیار خاص سے دوسرے کو بھی اختیار سونپ کر اسے مالک بنا سکتا ہے، بلکہ بناتا بھی ہے۔

مرجعِ فتویٰ مفتی کے ذریعہ **نکاح فسخ کرکے** عورت کو شوہر سے آزاد کرنے کی چند صورتیں یہ ہیں:

(۱) شوہر غربت و افلاس کے باعث نفقہ کے انتظام سے عاجز ہو۔ اور تحقیق سے یہ ثابت ہو جائے کہ عورت مسلسل تنگیِ نفقہ کے آزار میں مبتلا ہے اور شوہر کی حالت جوں کی توں بنی ہوئی ہے یعنی محتاج ہے اور بیوی کے حق میں حاجت دائمہ متحقق ہے تو پہلے شوہر کو حکم ہوگا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے کر آزاد کر دے تا کہ اس کی وجہ سے وہ پوری زندگی مصیبت کے بھنور میں نہ پھنسی رہے۔

لیکن اگر شوہر کسی طرح بھی طلاق دینے پر آمادہ نہ ہو تو حرج عظیم و ضرر شدید کے ازالہ کے لیے اجازت ہے کہ اب قاضی یہ نکاح فسخ کر دے۔

(۲) شوہر مفقود الخبر ہے یعنی ایسا لاپتہ ہے کہ اس کی موت و حیات کا بھی سراغ نہیں ملتا، ساتھ ہی وہ نقد و جنس بھی مفقود ہے جس سے عورت کا کام چل سکے۔

(۳) شوہر غائب ہے اور یہ معلوم نہیں کہ کہاں ہے؟ کب آئے گا؟ ہاں! یہ معلوم ہے کہ وہ زندہ ہے خواہ کہیں بھی ہو۔ اس کو فقہ کی اصطلاح میں "غَیْبَتِ مُنْقطعہ" کہتے ہیں۔

(۴) شوہر غائب ہے مگر "غَیْبَتِ مُنْقطعہ" نہیں یعنی معلوم ہے کہ فلاں جگہ ہے مگر آتا نہیں، اور نہ ہی کسی طرح اس سے نفقہ حاصل ہو پاتا ہے۔

(۵) شوہر موجود ہے مگر اس نے بیوی کو لٹکا رکھا ہے، نہ طلاق دے کر اسے آزاد کرتا ہے، نہ ہی اس کے حقوق (نان و نفقہ وغیرہ) ادا کرتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ان صورتوں میں عورت جہاں نان و نفقہ سے محروم ہے وہیں حقوق زوجیت سے بھی محروم ہے جس کے باعث اس زمانہ میں عورتوں کے مبتلائے گناہ ہونے کا عظیم خطرہ درپیش ہے۔ یہ خود ایک سخت ضرر اور حرج ہے۔

ان تمام صورتوں میں بھی آخر کار فسخ نکاح کی اجازت ہے۔

(۶) خیار بلوغ: میاں، بیوی کم عمر ہوں اور باپ، دادا کے علاوہ کسی اور نے ان کا نکاح کر دیا تو انھیں یہ اختیار ہے کہ بالغ ہو کر اپنے نفس کو اختیار کریں، پھر مفتی کے یہاں عرض حال کر کے نکاح فسخ کرا لیں۔

(۷) شوہر مقطوعُ الذکر ہے یعنی اس کا آلۂ تناسُل کٹا ہوا ہے۔

(۸) یا عِنّین ہے یعنی آلۂ تناسُل تو ہے مگر نامرد ہے۔

یہ دونوں صورتیں ثابت ہونے پر بھی عورت کو شریعت فسخِ نکاح کا حق عطا کرتی ہے۔

(۹) جس مرد کے خُصیے نکال لیے گئے ہوں۔

(۱۰) یا شوہر خُنثیٰ (ہجڑا) ہے اور مرد کی طرح پیشاب کرتا ہے ـــــ یہ دونوں بھی عِنّین کے حکم میں ہیں۔

مزید تفصیل کے لیے کتاب "مجلس شرعی کے فیصلے" (مطبوعہ مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ، (یوپی) کا مطالعہ مفید ہوگا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ فسخ نکاح کا حق کس قاضی و مفتی کو حاصل ہے۔

جو عورت شوہر کی وجہ سے مبتلائے آفات ہو جائے اس کے لیے اسلامی شریعت نے آسانی کے جو راستے کھلے رکھے ہیں یہ ان کا ایک خاکہ ہے۔ اربابِ قانون و انصاف کے لیے دار الافتا جامعہ اشرفیہ [قصبہ مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ، اتر پردیش، ہند] کے دروازے کھلے ہوئے ہیں وہ یہاں سے مسلم پرسنل لا کے تعلق سے شرعی معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔

☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ دین/سوال آپ بھی کرسکتے ہیں

آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ مفتی محمد نظام الدین رضوی کے قلم سے

مسجد عزیزیہ مبارک پور کے چند ضروری احکام

مسجد عزیزیہ محلہ علی نگر کے مصلیان، مسجد کے صحن میں چھت قائم کرنا چاہتے ہیں اور پورب کی دیوار سے لگ کر حدودِ مسجد میں ایک گیٹ بھی بنانا چاہتے ہیں، شرعاً اس کی اجازت ہے یا نہیں ؟

جدید نقشے کے مطابق چھت کے لیے فرشِ مسجد پر تین ستون بنائے جائیں گے اور اسی کے مقابل پورب کی دیوار میں چھ ستون ہوں گے، جن میں پانچواں ستون ۹/ انچ فرشِ مسجد پر واقع ہوگا۔ اس نقشے کے مطابق مشرقی دیوار سے چاروں ستونوں تک کی درمیانی زمین جوتے چپل اتارنے کے لیے ہے جب کہ اس میں دو فٹ یا کچھ کم و بیش حصہ فرشِ مسجد کا ہے جس پر ایک زمانے سے نماز ادا کی جاتی رہی ہے۔ یہ مسجد تقریباً ۲۵/ سال سے آباد ہے، اس وقت مسجد کی زمین سے تین فٹ زمین پورب کی طرف گلی کے لیے چھوڑ دی گئی تھی۔ ۱۹۹۸ء میں تعمیر جدید کے وقت وہ تین فٹ زمین احاطۂ مسجد میں شامل کرلی گئی، حالیہ تعمیر میں وہ تین فٹ زمین پھر گلی میں جارہی ہے، بلکہ مزید دو فٹ اور، یہ پانچ فٹ زمین حدودِ مسجد کے اندر ہے۔ نقشے کے مطابق اب یہاں گیٹ ہوگا، اس لیے یہ زمین حدود مسجد سے خارج کرنے کی حاجت پیش آئی۔

جامع مسجد علی نگر کی تعمیر کے وقت کچھ دشواریوں کی وجہ سے چار پانچ بار جمعہ کی نماز مسجد عزیزیہ میں پڑھی گئی، اس وقت فنائے مسجد میں بھی لوگوں نے نماز پڑھی۔ بینوا توجروا

الجواب

مسجد عزیزیہ علی نگر کے فرش (صحن) اور ستون وغیرہ کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے، وہ شرعی گرفت سے محفوظ نہیں۔

(۱) فرش مسجد بھی مسجد ہی ہے اور وہاں پر نماز پڑھنے کا ثواب وہی ہے جو مسجد کے اندر نماز پڑھنے کا ہے، وہ نماز اور ذکرِ الٰہی کے لیے ہی استعمال ہوگی اور اسے مسجد سے خارج کرکے فنائے مسجد میں شامل کرنا جائز نہ ہوگا۔ قرآن حکیم میں ہے:

”وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ“

رہا فرش پر ستون قائم کرنا تو اس کا حکم میری نگاہ سے نہ گزرا، لیکن یہ بھی ممنوع ہونا چاہیے کیوں کہ جس جگہ پر ایک عرصہ تک نماز پڑھی جاچکی ہو، وہاں ستون قائم کردینے کے بعد نماز پڑھنا یا ذکرِ الٰہی کرنا ممکن نہ ہوگا، تو یہ مسجد کے اس حصہ کو ذکرِ الٰہی کیے جانے سے روکنے کے حکم میں ہوگا۔ لہٰذا اس کی بھی ممانعت چاہیے۔ یہ الگ بات ہے کہ ستون کی جگہ خارجِ مسجد نہیں بلکہ جزءِ مسجد ہے، مگر وہ جگہ یا جزو حکماً ذکرِ الٰہی سے ممنوع ضرور ہے کہ ستون قائم ہوجانے کی وجہ سے وہاں کوئی ذکرِ الٰہی نہیں کرسکتا، سببِ منع قائم کرنا منع ہی کے حکم میں ہونا چاہیے۔ ”هذا ما عندی لعل الله يحدث بعد ذلك امرا.“

یہ حکم بحمدہ تعالیٰ تفقہاً تحریر کیا تھا، پھر بتوفیقہ تعالیٰ فتاویٰ رضویہ، رد المحتار اور جد الممتار میں صراحت مل گئی کہ یہ حرام و گناہ ہے، اس کی نظیر مسجد میں درخت لگانے کی ممانعت کا جزئیہ ہے۔ لہٰذا فرش مسجد پر ستون قائم کرنا حرام و گناہ ہے، کتبِ مذکورہ کی فقہی عبارات یہ ہیں:

فتاویٰ رضویہ جلد دوم میں ہے:

”وسط مسجد میں ایک جدید مکان ایسا کھڑا کردینا جس سے صفیں قطع ہوں کس شریعت میں جائز ہے؟ قطع صف بلاشبہہ حرام ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: من قطع صفا قطعه الله . (جو صف کو قطع کرے اللہ اُسے قطع کردے) رواه النسائی والحاکم بسند صحيح عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما۔ نیز علما نے تصریح فرمائی کہ مسجد میں پیڑ بونا منع ہے کہ نماز کی جگہ گھیرے گا نہ یہ کہ مکبّرہ کہ چار جگہ سے جگہ گھیرتا ہے اور کتنی صفیں قطع کرتا ہے۔“

(فتاویٰ رضویہ، ج:۲، ص:۴۰۶، کتاب الصلاۃ،

صدر شعبہ افتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

باب الاذان والاقامة)

ردالمحتار میں ہے:

قال في الخلاصة: غرس الأشجار في المسجد لا باس به إذا كان فيه نفع للمسجد بأن كان المسجد ذا نزوا لاسطوانات لا تستقر بدونها و بدون هذا لا يجوز. اھ

وفي الهندية عن الغراب: إن كان لنفع الناس بظله ولا يضيق على الناس ولا يفرق الصفوف لا بأس به و إن كان لنفع نفسه بورقه أو ثمره أو يفرق الصفوف أو كان في موضع تقع به المشابهة بين البيعة والمسجد يكره.اھ

وهٰذا وقد رأيت رسالة للعلامة ابن امير حاج بخطه متعلقة بغراس المسجد الأقصى ردّ فيها علىٰ من افتى بجوازه فيه اخذاً من قولهم: لو غرس شجرة للمسجد فثمرتها للمسجد فردّ عليه بأنه لا يلزم من ذلك حلّ الغرس الا للعذر المذكور لان فيه شغل ما اعدّ للصلاة ونحوها و إن كان المسجد واسعا أو كان فى الغرس نفع بثمرته . (رد المحتار، ج:٢، ص: ٤٤٤، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها مطلب في الغرس، في المسجد)

جدالممتار میں ہے:

(قول إن كان لنفع الناس الخ (أقول) قد سعمت عن الخلاصة بدون هذا لا يجوز، ولفظ الظهيرية ثم البحر الرائق والافلا، وقال العلامة المحشي في منحة الخالق في قوله "وإلّا فلا" دليل علىٰ انه لا يجوز إحداث الغرس في المسجد ولا إبقاءه فيه لغير ذلك العذر الخ، وهذه مشاهير كتب المذهب فتقدم على الغرائب، و يظهر لى أن يحمل ما في الغرائب علىٰ غرس الواقف قبل تمام المسجدية وما فى المشاهير عليه بعده ، فيحصل التوفيق و بالله التوفيق.(جد الممتار، ج:١، ص:٣١٧، كتاب الصلاة باب أحكام المسجد)

لہٰذا نقشے میں ترمیم کر کے ستون ایسی جگہ رکھیں جہاں سے فرشِ مسجد کا کچھ بھی حصہ مسجد سے خارج ہو کر فنائے مسجد میں نہ جائے اور نہ ہی وہاں کل یا جزوِ ستون واقع ہو، معمولی سی ترمیم سے مسجد کی حرمت بھی برقرار رہ جائے گی اور مقصد بھی پورے طور پر حاصل ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) فنائے مسجد وہ جگہ ہے جو مسجد سے متّصل نمازیوں کی ضرورت کے لیے ہوتی ہے، جیسے استنجاخانہ، غسل خانہ، جوتے چپل اتارنے کی جگہ، مگر بلاضرورت فنائے مسجد کی زمین کو حدودِ مسجد سے خارج کر کے گلی میں شامل کر دینا درست نہیں، فنائے مسجد میں نمازیوں کے لیے ضرورت ہو تو کھل سکتا ہے، مگر حدودِ مسجد سے اسے خارج نہ کرنا چاہیے۔

جدالممتار میں ہے:

(قوله كفناء مسجد) هو المكان المتصل به ليس بينه وبينه طريق، في الهندية من الكراهية عن التتار خانية عن اليتيمية عن الإمام الخجندي رحمه الله تعالىٰ انه سئل عن فناء المسجد هو الموضع لذى بين يدى جداره ام هو سدة بابه فحسب فقال: فناء المسجد ما يظله ظلة المسجد إذا لم يكن ممراً لعامّة المسلمين اھ. وهذا ما ترى اخص مما في الغنية وقد قالوا في فناء المصر: انه المعد لمصالحه، وبعضهم شرط الاتصال وخطاه الإمام صاحب الذخيرة، وعنده أن لا بدههنا من القيدين وذلك ان قال في وقف الهندية نقلا عن المحيط للإمام شمس الأئمة السرخسى رحمه الله تعالىٰ: قيم المسجد لا يجوز له أن يبنى حوانيت في حد المسجد أو فناءه لأن المسجد إذا جعل حانوتا و مسكنا فسقط حرمته وهذا لا يجوز والفناء تبع للمسجد فيكون حكمه حكم المسجد. اھ.

وأنت تعلم انه لا يكون تبعا للمسجدا لا أعد لمصالحه والا فدورُ الناس المحيطة بثلاثة جوانب من المسجد مثلا كيف تعدُّ من توابعه ، واما الاتصال فلان الدكاكين الموقوفة على المسجد شرقى البلد والمسجد غربية لا تعد فجاء المسجد عند أحد ولا يصدق عليها ان حكمها حكم المسجد فافهم (جد الممتار، ج:١، ص:٣١٤، ٣١٥، كتاب الصلاة، باب أحكام المسجد) والله تعالىٰ اعلم

—※—※—※—

فکرِ امروز

تعلیمات صوفیہ اور قومی یکجہتی

مفتی محمد ساجد رضا مصباحی*

ہندوستان قدیم زمانے سے متعدّد تہذیبوں، مذہبوں اور زبانوں کا گہوارہ رہا ہے، یہاں کی مشترکہ تہذیب اور کثرت میں وحدت کا رنگ وآہنگ اقوام عالم کے لیے ہمیشہ توجہ کا باعث رہا ہے۔ دنیا کے نقشے میں ہندوستان تنہا ایسا ملک ہے جہاں تہذیب وثقافت میں اس قدر تنوع اور وسعت کے باوجود امن وشانتی، مذہبی رواداری، قومی یک جہتی اور بقائے باہم کے اصولوں کو ترجیح دی گئی ہے۔ کثرت میں وحدت اور نیرنگی میں یک رنگی کے اس تصور نے ہمیشہ ہندوستان کو عظمت ووقار بخشا ہے اور بقول شاعر مشرق یہی اس کی طاقت کا راز بھی ہے:

یونان ومصر روماں سب مٹ گئے جہاں سے
اب تک مگر ہے باقی نام ونشاں ہمارا

ہندوستان کے اس مشترکہ کلچر کو پروان چڑھانے میں یہاں کے صوفیہ نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے، کثرت میں وحدت کے فلسفے کا صحیح ادراک صوفیہ کی خانقاہوں سے ہی ہوتا ہے۔ ہندوستان کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے صوفیہ نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ حق کی آواز بلند کرنے کے ساتھ یہاں کی تہذیبی روایات کو برقرار رکھنے کے لیے بھی جدوجہد کی، انہوں نے ہندوستان میں بسنے والے مختلف تہذیب وثقافت کے حامل اور مختلف نظریات ومعتقدات پر یقین رکھنے انسانوں کو ایک مرکز اتحاد پر جمع کر کے قومی وحدت اور یک جہتی کی ایک ایسی بے مثال فضا تیار کی جس میں دین ومذہب، رنگ ونسل، طبقے اور علاقائی حدبندیوں کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔ یہاں نہ تو ہندو مسلم میں کوئی بھید بھاؤ ہے اور نہ سکھ عیسائی میں کوئی تفریق۔ مذہبی تحفظات اپنی جگہ مگر یہاں قومیت کے نام پر سب ایک بینر تلے جمع نظر آتے ہیں۔ زیر نظر مقالے میں میں ہم نے قومی یک جہتی اور مذہبی رواداری کے حوالے سے صوفیہ کرام کی تعلیمات کو موضوع سخن بنایا ہے۔

قومی یک جہتی: جب کثرت میں وحدت کا ماحول پیدا ہوتا ہے تو وہیں سے قومی یک جہتی کا عمل بھی شروع ہو جاتا ہے، بلفظ دیگر قومی یک جہتی کا مفہوم یہ ہے کہ کسی ملک کے جغرافیائی حدود میں بسنے والے لوگ انفرادی طور پر علاحدہ شناخت رکھنے کے باوجود اجتماعی امور میں ہم خیال ہو جائیں اور آپس میں نفرت وعداوت کے بجائے الفت ومحبت اور اختلاف وانتشار کے بجائے اتحاد واتفاق کے ساتھ رہنے لگیں، خواہ یہ اختلاف سیاسی ہو یا سماجی، مذہبی ہو یا تہذیبی، بہر حال دلوں میں یگانگت اور نظریات میں وسعت ہو۔ مذہب، تہذیب، ثقافت اور دیگر شعبہائے حیات میں اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے تئیں مخلص اور ہم درد رہیں۔

تعلیمات صوفیہ اور قومی یک جہتی:

تاریخی حقائق کی روشنی میں بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ صوفیہ کرام نے ہمیشہ امن وآشتی، بین المذاہب رواداری، سماجی وثقافتی ہم آہنگی اور قومی یک جہتی کی تعلیم دی ہے، صوفیہ کا مقصد حیات اللہ کے پیغامات کو بندوں تک پہنچا کر بندوں کا رشتہ معبود سے مستحکم کرنا تھا، اسی لیے دعوت دین کے لیے ان کا پسندیدہ مقام وہ ہوتا جو کثیر نسلی، کثیر مذہبی، کثیر لسانی اور کثیر ثقافتی معاشرے کا حامل ہو، تاکہ وہ اپنی تعلیمات مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے اللہ کے ان بندوں تک بھی پہنچا سکیں جنہیں اللہ کی وحدانیت کا شعور نہیں، جو اللہ کے دین سے دور اور نفرت وعداوت کے ماحول میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ صوفیہ کرام اسی مقصد خیر کی تکمیل کے لیے تکثیری معاشرے کو اپنی دعوت وتبلیغ کے لیے ترجیح دیا کرتے تھے۔

وطن عزیز کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے صوفیہ کرام نے مسلمانوں کی اصلاح کے ساتھ دیگر مذاہب کے لوگوں کو بھی اسلام سے قریب کرنے کے لیے محبت اور رواداری کے اصولوں پر کام کیا، سختی اور تشدد کو کبھی انہوں نے پسند نہیں کیا، یہی دعوت دین کا زرین اصول بھی ہے، دعوت کے عمل سے وابستہ شخص کو ہر فرد انسانی کے ساتھ شفقت ومحبت کا مجسمہ ہونا چاہیے، کیوں کہ داعی جب اپنے عمدہ اخلاق کے ذریعہ

*استاذ جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف، ضلع اوریا۔

انسانی قلوب پر قبضہ کرلیتا ہے تو اپنا پیغام بڑی آسانی کے ساتھ ان تک پہنچانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے چشتی صوفیہ نے یہاں کے غیر مسلموں کے ساتھ شگفتہ تعلقات رکھنے کو دعوت وتبلیغ کے لیے موثر قرار دیتے ہوئے اس کی تاکید کی ۔ نافع السالکین (ملفوظات خواجہ سلیمان تونسوی) میں ہے:

حضرت قبلہ من قدس سرہ (خواجہ سلیمان تونسوی) فرمودند کہ در طریق ما ہست کہ با مسلمان وہند صلح باید داشت (نافع السالکین۔ ص۷۶ ملفوظات حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۸۵ھ۔۱۲۶۷ھ) سلسلہ چشتیہ کے عظیم المرتبت بزرگ تھے، آپ اپنے عہد کے وسیع الخیال اور وسیع المشرب بزرگ کی حیثیت سے معروف ہیں، دیگر اکابر صوفیہ چشت کی طرح آپ کا بھی نظریہ تھا کہ اپنے مذہب پر سختی سے عمل کیا جائے لیکن دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ بھی خوش گوار تعلقات رکھے جائیں، ان کے ساتھ رواداری کا سلوک کیا جائے، معاشرے میں یک جہتی کا ماحول قائم کیا جائے۔آپ اکثر اپنے مریدوں کو ہدایت فرمایا کرتے کہ اپنے مذہب اپنے تمدن، اپنی شریعت پر قائم رہو لیکن ساتھ ہی دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، تعلقات میں کبھی بدمزگی پیدا نہ ہونے دو۔ایک موقع پر فرمایا:

سالک را باید کہ ہیچ کس را رنج نہ دہد بلکہ باہمہ مخلوق صلح کند
(نافع السالکین۔ص۱۵۵)

سالک کو چاہیے کہ کسی کو رنج نہ پہنچائے بلکہ ساری مخلوق سے صلح رکھے۔

صوفیہ نے اپنی ان ہی محبت آمیز تعلیمات کے ذریعہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں ایک مشترکہ سماجی نظام قائم فرمایا تھا جس کی بنیاد رواداری اور یک جہتی پر تھی، اس مشترکہ سماج میں مختلف افکار ونظریات کے حامل اور مختلف مذاہب کے ماننے والے امن وامان اور سکون واطمینان کے ساتھ زندگی گزارتے تھے، جہاں ہر طرف انسان دوستی اور بھائی چارگی کی خوشبوؤں سے چمن زار ہند معطر تھا۔

خواجہ شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۸۵ھ۔۱۲۶۷ھ) کے اولین خلفا میں عالم اجل حضرت حافظ سید محمد علی خیر آبادی ہیں جو علم وفضل، زہد وورع اور اتباع سنت وشریعت میں اپنی مثال آپ تھے، آپ انسانی مساوات اور اخوت وبھائی چارگی پر زور دیا کرتے تھے اور اس پر عامل بھی تھے ۔ ایک مرتبہ کھانے کے لیے دستر خوان پر تشریف لے گئے، اسی درمیان ایک موچی پر نظر پڑی جو آپ کے صاحب زادے حضرت خواجہ سید اسلم خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی جوتی سی رہا تھا، آپ نے اس سے فرمایا: ہاتھ دھو کر آؤ اور کھانا کھاؤ، پھر آپ نے اس موچی کو اپنے پاس بٹھا کر کھانا کھلایا۔

(مناقب حافظیہ، ص:۲۰۹، از مولانا غلام ہادی لکھنوی۔)

حافظ سید محمد علی خیر آبادی مثنوی مولانا روم کا درس دیا کرتے تھے، آپ کے درس میں مریدین اور عقیدت مند کثیر تعداد میں شریک ہوا کرتے تھے، آپ کے حلقہ درس میں میں شریک ہونے والوں میں ایک بڑی تعداد غیر مسلم عقیدت مندوں کی ہوتی خاص طور سے مثنوی شریف کے درس میں غیر مسلم پابندی سے شریک ہوتے۔

مناقب المحبوبین کی روایت میں ہے کہ حضرت حافظ سید محمد علی خیر آبادی کے عقیدت مندوں میں غیر مسلموں کی بڑی تعداد تھی۔حیدر آباد کے چندر لال کو آپ سے بے حد عقیدت تھی، اکثر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا کرتا تھا اسی طرح دہلی کا ایک کائستھ ہندو آپ کی خدمت میں آنے جانے لگا اور آپ کے اخلاق وکردار سے اس قدر متاثر ہوا کہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔(مناقب المحبوبین، تذکرہ خواجہ نور محمد مہاروی وخواجہ شاہ سلیمان تونسوی، از حاجی نجم الدین سلیمانی)

صوفیہ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی شان: الخلق عیال اللہ کے مقتضیات پر عمل پیرا تھے، وہ عقائد ونظریات میں اختلاف کے باجود انسانی رشتوں کو نظر انداز نہیں کرتے تھے، فرمان نبوی: کونوا عباد اللہ اخوانا کے فلسفے پر بھی ان کی نظر تھی۔ان کی وسیع القلبی اور رواداری کا یہ حال تھا کہ ہندوؤں کی کوئی بات انہیں پسند آتی تو بر ملا اس کا اعتراف کرتے، فوائد الفواد کی روایت کے مطابق بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں جوگی بھی آیا کرتے تھے، ایک بار حضرت خواجہ نظام الدین اولیا سے عالم علوی اور سفلی پر بات چیت چلی، جوگی نے اپنے خیالات کی وضاحت کی تو آپ متاثر ہوئے اور ارشاد فرمایا:

مرا سخن او خوش آمدید

(فوائد الفواد ص:۲۴۵، ملفوظات نظام الدین اولیا، از امیر حسن علا سجزی)

مجھے اس کی بات اچھی لگی۔

ایک مرتبہ امیر حسن سجزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (مرتب فوائد الفواد) کو کچھ دنوں تک تنخواہ نہ ملی اور آپ پریشان ہو گئے، آپ کی اس پریشانی کی اطلاع حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کو ہوئی تو آپ نے امیر حسن سجزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ایک برہمن کا واقعہ سنایا، فوائد الفواد میں اس واقعے کی تفصیل اس طرح مذکور ہے:

ایک شہر میں کوئی مال دار برہمن رہتا تھا، شاید اس پر اس شہر کے حاکم نے جرمانہ کیا، اس کا سارا مال واسباب لے لیا، بعد ازاں وہی برہمن مفلس اور مضطرب کسی راستے سے چل رہا تھا، سامنے سے اسے ایک دوست ملا، پوچھنے لگا کیا حال ہے؟ برہمن نے کہا: اچھا اور بہت عمدہ ہے۔ اس نے کہا ساری چیزیں تو تجھ سے چھن گئیں، اب کیا خاک اچھا ہوگا۔ بولا: زنار من با من است، یعنی میرا زنار میرے پاس ہے۔

(فوائد الفواد ص:۵۶ ملفوظات نظام الدین اولیا، از امیر حسن علا سجزی)

یہ واقعہ حضرت امیر حسن سجزی پر حد درجہ اثر انداز ہوا اور آپ کا اضطراب دور ہو گیا، آپ نے شیخ کے اس فرمان کا مقصد سمجھ لیا اور سکون و اطمینان کی سانس لی۔

اپنی بارگاہ کے حاضر باشوں کی تربیت کے لیے ایک برہمن کے واقعے کو اس انداز میں ذکر کرنا اس کا بات کا ثبوت ہے کہ آپ خذ ما صفا ودع ما کدر کے اصول پر عمل پیرا تھے، ان کی جو باتیں درست معلوم ہوتیں ان کے اعتراف میں تامل نہیں فرماتے۔

صوفیہ کی بارگاہ میں مسلمان عقیدت مندوں کے ساتھ بڑی تعداد میں غیر مسلم بھی حاضری دیا کرتے تھے، مشائخ ان غیر مسلموں کے ساتھ اخلاق و محبت کے ساتھ پیش آتے، ان کی باتیں سنتے، ان کی ضیافت بھی فرماتے، اس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ صالح صحبت ان کے قلوب پر اثر انداز ہو اور ان کی دل کی دنیا بدل جائے۔

سیر الاولیا میں ہے:

ایک دن ایک مسلمان، ایک ہندو کو لے کر شیخ نظام الدین اولیا کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ یہ میرا بھائی ہے، حضرت شیخ (خواجہ نظام الدین اولیا) نے پوچھا:

ایں برادر تو ہیچ میلے بمسلمانی دارد؟ ---کیا تمھارا یہ بھائی مسلمانی سے کچھ رغبت رکھتا ہے؟

اس شخص نے عرض کیا: میں اسی غرض سے لایا ہوں کہ جناب کی نظر التفات سے وہ مسلمان ہو جائے، شیخ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا:

اس قوم پر کسی کے کہنے کا اثر نہیں ہوتا، ہاں اگر کسی صالح مرد کی صحبت میں آجایا کریں تو شاید اس کی برکت سے مسلمان ہو جائیں۔

(سیر الاولیاء، ص: ۳۲۱، ملفوظات خواجہ فرید الدین گنج شکر و حضرت محبوب الٰہی، از میر خورد کرمانی)

محبوب الٰہی حضرت شیخ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ نہ صرف یہ کہ مریدین کے لیے ارشاد و تلقین کا مرکز اور رشد و ہدایت کا سرچشمہ تھی، بلکہ اسے خلق خدا کی دردمندی کا بھی مرکز سمجھا جاتا تھا، مسیحائے وقت کے اس مرکز جود و سخا سے اپنے اور غیر سبھی فیض یاب ہوتے، یہاں غریبوں کی شکم سیری کے لیے مسلسل لنگر جاری رہتا، پریشان حال بلا تفریق مذہب و ملت آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنے کرب و اضطراب کا اظہار کرتے، اپنا درد دل بیان کرتے اور حضرت محبوب الٰہی ہر ایک کے زخم پر مرہم لگاتے، ہر ایک کے غم کو اپنے اوپر طاری کر کے رب ذوالجلال کی بارگاہ میں دعائیں کرتے۔

سیر الاولیا میں ہے:

آپ کی خانقاہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا، امیر و غریب، عارف و عامی، شہری اور دیہاتی، بوڑھے اور بچے سبھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، جو جس وقت ملاقات کے لیے حاضر ہوتا اسی وقت باریابی کی اجازت دی جاتی۔ (سیر الاولیا: ص:۱۳۰)

بقول حضرت امیر خسرو:

در نظر او گدا و ملوک ------ در شدہ بے جادہ بسلک سلوک

بر در او ہر کہ ارادت نمود ------ زندہ جاوید شد ار مردہ بود

محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیا جو معرفت روحانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کے ساتھ علوم شریعت میں بھی درجہ اجتہاد پر فائز تھے، ایک دن صبح کے وقت اپنے جماعت خانہ کی چھت پر چہل قدمی فرما رہے، آپ کے ساتھ آپ کے محبوب خلیفہ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی موجود تھے۔ حضرت محبوب الٰہی نے ملاحظہ فرمایا کہ پڑوس میں کچھ ہندو بتوں کی پوجا کر رہے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا:

ہر قوم راست راہے وقبلہ گاہے

حضرت امیر خسرو نے اس پر فوراً دوسرا مصرعہ لگایا اور فرمایا:

من قبلہ راست کردم جانب کج کلاہے

اس وقت حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے سر پر ٹوپی ٹیڑھی

لگی ہوئی تھی (انوار العیون قلمی بحوالہ تاریخ مشائخ چشت، از خلیق احمد نظامی)

اس موقع پر حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد ان کی رواداری کا واضح ثبوت ہے۔

صوفیہ کرام نے اپنی بارگاہ میں حاضر ہونے والے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ جس طرح رواداری کا برتاؤ کیا اور جس انداز میں وسیع پیمانے پر اسلام کی اسلام تبلیغ واشاعت کا فریضہ انجام دیا اس سے واضح ہے کہ ان کی دعوت وتبلیغ کا یہ طریقہ بے حد موثر اور کارگر تھا۔ ہمیں آج کے نفرت بھرے ماحول میں ان کے داعیانہ حکمت و تدبیر کے اصولوں سے سبق حاصل کرنا چاہیے، رواداری اور یک جہتی کا ماحول بناکر برادرانِ وطن کو پہلے خود سے قریب کرنا چاہیے پھر انہیں اسلام کی خوبیوں سے آگاہ کرکے دامن اسلام کی وابستہ ہونے کی دعوت دینی چاہیے۔

یہ بات مسلم ہے کہ غیروں میں تبلیغ دین کے لیے ان کی فطرت کی شناخت اور ان کے طبیعت کے تقاضوں کو سمجھنا نہایت ضروری ہے، یہ اسی وقت ہوگا جب ان کے ساتھ ایک مشترکہ معاشرے میں رہ کر ان کی صبح وشام کا جائزہ لیا جائے، ان کے خیالات کا باریکی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے اور اپنے اسلامی عقائد ونظریات کی تحفظات کو ملحوظ خاطر رکھ کر ان سے میل جول بھی رکھا جائے۔

"تاریخ مشائخ چشت" کے مؤلف خلیق نظامی کے بقول:

مشائخ چشت ہدایت فرماتے تھے کہ اگر کوئی ہندو تمھاری صحبت سے گرویدگی یا عقیدت کی بنا پر تمھارے پاس آنے جانے لگے اور تم سے ذکر وغیرہ کے متعلق پوچھے تو فوراً بتادو اس فکر میں نہ رہو کہ وہ باقاعدہ مسلمان ہوجائے جب اسے روحانی تعلیم دی جائے۔

(تاریخ مشائخ چشت ص:۳۰۱، از خلیق احمد نظامی، ندوۃ المصنفین دہلی)

شیخ کلیم اللہ دہلوی نے اپنے ایک مکتوب میں فرمایا:

صلح با ہندو مسلماں سازند وہر کہ ازیں دو فرقہ کہ اعتقاد بشما داشتہ باشند، ذکر وفکر مراقبہ وتعلیم او بگویند کہ ذکر بخاصیت خود اورا بربقہ اسلام خواہد کشید۔

(مکتوبات کلیمی ص:۷۴، مکتوبات شاہ کلیم اللہ دہلوی، مرتبہ محمد قاسم کلیمی)

ترجمہ: ہندو اور مسلمانوں کے ساتھ صلح رکھیں ان دونوں گروہوں میں سے جو بھی تم سے عقیدت رکھے اسے ذکر وفکر اور مراقبہ کی تعلیم دیں کیوں کہ ذکر اپنی خاصیت کے سبب اسے خود اسلام کے بندھن کی طرف کھینچ لے گا۔

صوفیہ کی ان تعلیمات سے جہاں اسلام کی تبلیغ واشاعت کے راستے کھل جاتے وہیں یک جہتی ورواداری کا ایک خوشگوار ماحول قائم ہوتا، نفرتیں محبتوں میں تبدیل ہوجاتیں، دوریاں قربت میں بدل جاتیں پھر توفیق الٰہی سے کفر وشرک کی ظلمت سے معمور دل ایمان کی روشنی سے منور ہوجاتے۔

اقلیم ہند کے مختلف اطراف میں پھیلے ہوئے صوفیہ کرام نے کبھی نفرت وتشدد کا درس نہیں دیا اور نہ ہی کسی خانقاہ میں مذہب کی بنیاد پر کسی قسم کا بھید بھاؤ روا رکھا گیا، اس ضمن میں سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا خاص طور سے ذکر کیا جاسکتا ہے۔ آپ کی خانقاہ ہندوستان میں قومی یک جہتی کا مرکز ہے جہاں ہندو مسلم سکھ عیسائی ہر مذہب کے ماننے والے بڑی عقیدت واحترام کے ساتھ حاضری دے کر قلبی سکون حاصل کرتے ہیں۔ آپ پوری زندگی رواداری کے اصولوں پر عمل پیرا رہے، کسی مذہب کے ماننے والوں کو اپنی بارگاہ سے نامراد نہیں لوٹایا، جب آپ اجمیر شریف تشریف لائے تو اس وقت ہندوستان کا یہ خطہ کفر وشرک کا مرکز تھا، آپ نے اجمیر میں اپنی محبت آمیز ارشادات اور انسانیت نواز تعلیمات کے ذریعہ خلق خدا کو دینِ اسلام کی طرف راغب کیا، آپ نے جب یہاں اصلاح کی تحریک چلائی تو بین المذاہب رواداری اور بھائی چارگی کے فروغ کے پیش نظر یہاں کے ان مقامی رسوم ورواج کو باقی رکھا جو اسلامی شریعت کے مخالف نہیں تھے۔ آپ نے انسانیت کے ناطے دوسرے مذہب کے لوگوں میں بھی اپنی محبت باٹی، آپ کے لنگر کھانے سے اپنے اور غیر سبھی شکم سیری حاصل کیا کرتے تھے، آپ کا فرمان مشہور ہے کہ جس شخص کے اندر دریا کی طرح سخاوت، آفتاب کی طرح شفقت اور زمین کی طرح تواضع موجود ہو وہ اللہ کے نزدیک محبوب ہے۔ آپ نے اپنے اس ارشاد کو عملی جامہ بھی پہنایا، آپ کے بحر سخاوت سے ہر طبقے اور ہر مذہب کے لوگ فیض یاب ہوئے، آپ کی شفقتوں کے سایے میں غمزدوں کو اپنے غموں کا مداوا ملا۔

صوفیہ کرام خلق خدا سے محبت فرمایا کرتے تھے اور مخلوق کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھ کر اس کے ازالہ کی کوشش کرتے، خلق خدا کو خوش کرنا ان کے نزدیک ایک نیک اور محبوب عمل تھا، اس سلسلے میں

وہ مسلم اور غیر مسلم میں کوئی تفریق نہیں کرتے تھے۔

خواجہ فخر جہاں دہلوی اپنے چند درویشوں کے ہمراہ ایک تالاب کے کنارے سے گزرے، دیکھا کہ چند ہندو وہاں غسل کر رہے ہیں اور وہاں پر موجود برہمنوں کو کچھ نقدی پیش کر رہے ہیں، لیکن ایک ضعیف العمر برہمن نہانے کا سامان لیے مایوس صورت کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے، خواجہ فخر جہاں دہلوی نے اپنے درویشوں سے فرمایا: اگر آپ مجھ پر ناراض نہ ہوں تو میں اس برہمن کو خوش کردوں، درویشوں نے کہا کہ ہماری کیا مجال کہ ہم آپ کے کام پر ناخوش ہوں، پھر آپ ہندوؤں کا لباس پہن کر اس برہمن کے پاس گئے اور کہا: میں نہانے آیا ہوں، وہ برہمن خوش ہو گیا اور اس نے اپنے طریقے کے مطابق آپ کو غسل کرایا، آپ نے اسے پانچ روپے دیے اور بڑی معذرت کی کہ فی الحال یہی قلیل معاوضہ پیش ہے، برہمن بڑا خوش ہوا اور اس نے کہا کہ اتنی اجرت تو آج تک مجھے کہیں نہیں ملی تھی، جتنی اس شخص نے دی۔ آپ اپنے مکان میں تشریف لائے اور تجدید غسل کیا، دوسرے دن پھر اسی برہمن کے پاس جا کر غسل کیا اور اس کو دس روپے دیے، تیسرے دن پندرہ روپے دے کر غسل کیا۔ جب واپس آنے لگے تو برہمن بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے دین محمدی سکھاؤ، آپ نے اس برہمن کو کلمہ طیبہ پڑھا کر اسلام میں داخل فرمالیا اور اپنا خلیفہ بنایا۔

خواجہ فخر جہاں دہلوی نے ایک مایوس برہمن کی مایوسی کو دیکھ کر ترس کھاتے ہوئے اس کے طریقے پر غسل کیا تاکہ اس کی مایوسی دور ہوجائے اور دوسرے برہمنوں کی طرح وہ بھی خوش و خرم نظر آئے، آپ کا یہ عمل یقیناً انسان دوستی اور رواداری ہی کی بنیاد پر تھا، لیکن جب برہمن پر آپ کی رحم دلی کا راز کھلا تو وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا، آپ کے اس عمل نے اس پر ایسا اثر ڈالا کہ وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ دامن اسلام سے وابستہ ہو گیا۔

در اصل صوفیہ کرام خلق خدا کی خدمت کو اپنے لیے بڑی سعادت سمجھتے تھے، اس میں مذہب وملت کی کوئی تفریق نہیں تھی، وہ پریشان حال انسانوں کی پریشانیوں کو دیکھ کر تڑپ اٹھتے، بھوکوں کے بھوک کا خیال ان کے لقمہ کو حلق سے اترنے نہیں دیتا تھا، حضرت محبوب الٰہی کا لنگر مشہور تھا، لیکن وہ خود اس لنگر سے نہیں کھاتے تھے، آپ اکثر روزہ رکھا کرتے تھے، کیوں کہ آپ کو اپنے شہر کے ان بھوکوں کا خیال تھا جو فاقے کی حالت میں ہوتے۔

صوفیہ کرام ہر مذہب اور ہر طبقے کے لوگوں پر شفقتیں بانٹتے، ہر اس عمل سے باز رہنے کا حکم دیتے جو کسی انسان کی دل شکنی کا باعث ہو، جو انسان کسی کے بھوک کا خیال کرتے ہوئے خود شکم سیر ہو کر نہ کھائے وہ کسی کو تکلیف کیسے پہنچا سکتا ہے، وہ بے گناہ انسانوں کی ہلاکت کی تعلیم کیسے دے سکتا ہے؟۔

حضرت خواجہ غریب نواز کے اجل خلفا میں حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ زبردست عالم وفاضل تھے اور روحانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ آپ کی خدمت میں مسلمانوں کے ساتھ جین دھرم کے ماننے والے عقیدت مند بھی بڑی تعداد میں آیا کرتے تھے، جین دھرم کے لوگ گوشت سے حد درجہ پرہیز کیا کرتے ہیں۔ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ان غیر مسلم عقیدت مندوں کی دل بستگی کا خیال رکھتے ہوئے اپنی خانقاہ میں گوشت پکانے پر پابندی لگادی تھی، یہاں تک اپنے عقیدت مندوں کے لیے یہ وصیت فرمادی کہ

"در فاتحہ من گوشت نہ دہند"

آج بھی آپ کی خانقاہ کے لنگر میں گوشت نہیں پکتا ہے، رواداری اور یک جہتی کی اس سے اعلیٰ مثال اور کیا ہوسکتی ہے۔

سچ یہ ہے کہ صوفیہ کرام نے سرزمین ہند کو علم وآگہی، معرفت و طریقت، فقر، مذہبی رواداری اور انسان دوستی کی ایسی لازوال خوشبو سے مہکا دیا کہ آج تک یہ دھرتی ان خوشبوؤں سے سرفراز ہے اور مسلسل مہک رہی ہے اور جب تک صوفیانہ تعلیمات ہماری رہبری کرتی رہیں گی ہماری قومی یک جہتی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ہندوستان کے گوشے گوشے میں موجود صوفیہ کرام ہمارے ملک کی سالمیت کا ضامن ہیں۔ اس بات کی صداقت میں کوئی شک نہیں کہ صوفیانہ تعلیمات ہی کے فروغ سے دنیا میں امن وسلامتی اور بھائی چارگی کا ماحول قائم ہوسکتا ہے، انسانیت کے تحفظ اور فروغ امن کا واحد راستہ ہے تصوف اور صوفی ازم۔☆☆☆

معمولات اہل سنت

چالیسویں کا ثبوت

مولانا امام الدین قادری رضوی

آج کل لوگوں نے وہابیت کے اثر سے والدین کو بھی جو کہ انتقال کر چکے ہیں، بھلا دیا ہے۔ وہ والدین جنھوں نے زندگی میں اپنی اولاد کے کے لیے طرح طرح کی تکلیفیں اٹھائیں، ان کے لیے جائداد بنائی، ان کے آرام کے لیے ہر ممکن کوشش کی، ان کے لیے ہر قسم کی جائداد چھوڑ گئے، اولاد ایسی لائق نکلی کہ ان کے مرنے کے بعد ان کا نام لینا بھی پسند نہیں کرتی۔ حالاں کہ خدا ے تعالیٰ نے اپنا عبادت کے بعد والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا ارشاد فرمایا ہے، چناں چہ فرمایا: وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ (النساء:۳۶) اور تم خدا کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو۔

اور یہ بھی فرمایا: "اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ" (لقمان:۱۴)

حدیث شریف میں آیا ہے: "من لم یشکر الناس لم یشکرِ اللہ" [مسند امام احمد:۱۱۲۹۸، المعجم الکبیر للطبرانی:۲۵۰۲]

جس نے لوگوں کو شکر نہیں کیا، اس نے خدا کا بھی شکر ادا نہیں کیا۔

معلوم ہوا کہ جس نے ماں باپ کا شکر نہیں کیا، اس نے خدا کا بھی شکر نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت اس لیے ہے کہ وہ روح اور جسم کا خالق ہے اور ماں باپ چوں کہ پیدائش اور پرورش کے ظاہری اسباب میں سے ہیں، اس لیے ان کا بھی حق ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد والدین کا حق بیان فرمایا، لیکن یہ نہیں کہ وہ زندہ ہوں تو ان کا حق ہے، مرجائیں تو کوئی حق نہیں۔ مرنے کے بعد بھی ان کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر کی جلد ۵، ص:۲۰۴ میں زیر آیت: "وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ" (الرعد:۲۱) [اور وہ کہ جوڑتے ہیں اسے جسے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا]۔ کہتے ہیں:

"و یدخل فی ھذہ الصلۃ امدادُھُمْ بِاِيْصَالِ الْخَيْرَاتِ وَدَفْعِ الْآفَاتِ بِقَدْرِ الْاِمْكَانِ" یعنی اسی صلہ رحمی میں داخل ہے، ان کی امداد کرنا، ایصالِ ثواب سے یعنی اقربا اگر مرگئے ہوں تو ان کے ساتھ صلہ رحمی یہ ہے کہ ان کے واسطے صدقات و خیرات کی جائے۔

جن لوگوں نے قطع رحمی کی وہ قطع زندہ سے ہو یا مردہ سے، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾ "اور وہ جو اللہ کا عہد اس کے پکے ہونے کے بعد توڑتے اور جس کے جوڑنے کو اللہ نے فرمایا اسے قطع کرتے، اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، ان کا حصہ لعنت ہی ہے اور ان کا نصیبہ برا گھر۔"

حاصل اس آیت کا یہ ہے کہ جو شخص قطع رحمی کرے، زندہ ہو تو عداوت رکھے، مردہ ہو تو اس کے لیے امداد نہ کرے، اس کے لیے ٹھکانہ برا ہے۔ یہ تو مسلمہ بات ہے کہ مردہ کو صدقات و خیرات کا ثواب پہنچتا ہے۔ چناں چہ دارمی و طبرانی میں حدیث موجود ہے:

"انَّ رجلًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ كَانَ لِيْ أبوان ابرھما حال حیاتھما فکیف ابرھما بعد موتھما. فقال له علیه السلام إن من البرَّ أن تصلی لھما مع صلاتك و أن تصوم مع صیامك و أن تصدق عنھما مع صدقتك."

"ایک شخص (صحابی) نے حضور علیہ السلام سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! میں والدین کے ساتھ ان کی زندگی میں ان سے نیکی کیا کرتا تھا، اب وہ انتقال کر چکے ہیں، اب میں ان سے کیسے نیکی کروں؟ آپ نے فرمایا کہ اپنے نماز روزہ کے ساتھ ان کے لیے بھی نماز روزہ کیا کر اور جب صدقہ کرے تو ان کے لیے بھی صدقہ کر۔

بخاری شریف میں بروایت ابن عباس یوں آیا ہے:

أن رجلا قال لرسول الله صلى الله عليه و آله وسلم إن امي توفيت اينفعها إن تصدقت ؟ قال نعم.

"ایک آدمی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! میری والدہ فوت ہو گئی، اگر میں صدقہ کروں تو اسے نفع ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔" (یعنی نفع ہوگا)

مشکاۃ میں بحوالہ ابوداؤد و نسائی سعد بن عبادہ سے روایت ہے کہ سعد نے پوچھا: "یا رسول اللہ! میری ماں فوت ہو گئی ہے، پس کون سا صدقہ افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: پانی۔ پس سعد نے کنواں کھدوایا اور کہا کہ یہ کنواں سعد کی ماں کا ہے۔"

ایسا ہی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے (بخاری جلد اول، ص:۱۸۶)

افسوس ان لوگوں پر ہے جو اپنے والدین و خویش اور اقارب کو صدقات و

خیرات سے محروم رکھتے ہیں، بلکہ لوگوں کو بھی منع کرتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے بہتری چاہتا ہے، اس کے دل میں اپنی عبادت کی محبت ڈال دیتا ہے اور جس کے لیے بہتری نہیں چاہتا اس کی اولاد کے دل میں ڈال دیتا ہے کہ میت کو صدقہ وخیرات کا ثواب نہیں پہنچتا۔ یہ تو بدعت ہے، تو وہ محروم رہ جاتا ہے:

”كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِىْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ “ (الحجر: ۱۲، ۱۳)

وقال الله تعالیٰ: ” وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ “ (التوبۃ: ۴۶)

اگر ارادہ کرتے نکلنے کا اور تیار کرتے واسطے اس کے سامان لیکن مکروہ رکھا اللہ نے ان کا اٹھنا، پس بند کیا ان کو اور کہا گیا کہ بیٹھو ساتھ بیٹھنے والوں کے۔

” فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا “ (الانعام: ۱۲۵)

” پس جس کو ارادہ کرتا ہے اللہ یہ کہ ہدایت کرے تو کھول دیتا ہے سینہ اس کا واسطے اسلام کے اور جس کو ارادہ کرتا ہے کہ گم راہ کرے، تنگ کر دیتا ہے سینہ اس کا۔“

پس اگر صدقہ واستغفار سے میت کو نفع نہ ہوتا تو حضور یہ نہ فرماتے:

”أمتي أمة مرحومة متاب عليها تدخل في قبورها بذنوبها وتخرج من قبورها لا ذنوب عليها تمحص عنها ذنوبها باستغفار المؤمنين لها.

(رواہ الطبرانی فی الاوسط، حدیث: ۱۸۷۹، شرح الصدور، ۱۲۸)

”میری امت بخشی ہوئی ہے، اس کی توبہ قبول ہے، قبروں میں گناہ لے کر جائے گی اور جب نکلے گی، بے گناہ نکلے گی۔ اہلِ ایمان کے استغفار کی وجہ سے اس کے گناہ مٹا دیے جائیں گے۔

پس مذکورہ بالا آیات واحادیث سے ثابت ہوا کہ صدقہ وخیرات سے اقربا کی امداد کرنا بہت ضروری ہے کہ اس سے میت کو نفع پہنچتا ہے۔

رہی بات تیجہ، دسواں، چالیسواں کے جائز و درست ہونے کی تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ مدارج النبوت میں ہے کہ حضور علیہ السلام تیجہ کے دن آل جعفر بن ابی طالب کے گھر تشریف لے گئے اور حضرت جعفر کے صاحب زادوں کی دل داری کی اور دعاے خیر فرمائی اور کھانا بھیجا۔

شیخ عبد الحق ترجمہ مشکاۃ میں لکھتے ہیں: ”مستحب است کہ تصدق کردہ شود از میت بعد از رفتن او از عالم تا ہفت روزہ“

”میت کے لیے سات دن تک صدقہ کرنا مستحب ہے۔“

سراج المنیر میں لکھا ہے: ”و يستحب أن يتصدق عن الميت بعد موته سبعة أيام.“

”میت کے واستے اس کی موت کے بعد سات روز تک صدقہ کرنا مستحب ہے۔“

آریہ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے چھ دن میں زمین آسمان کیوں بنائے۔ چھ روز کی کیا خصوصیت ہے۔ اسی طرح آج کل کے نام کے مسلمان کہتے ہیں کہ تیجہ، دسواں، چالیسواں کی کیا خصوصیت ہے، پس و پیش نہیں ہو سکتا؟

میں کہتا ہوں: بے شک پس و پیش بھی جائز ہے، مگر تعیین میں بھی کوئی حرج نہیں۔ دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

” وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِىْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۠ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ “

”تحقیق کہ، پیدا کیا ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے، پھر کیا اس کو قطرہ منی کا مضبوط جگہ میں، یعنی رحمِ مادر میں (چالیس روز)، پھر پیدا کیا ہم نے اس نطفہ کو لہو جما ہوا (چالیس روز) پھر پیدا کیا ہم نے اس خون کو بوٹی گوشت کی (چالیس روز) پھر اس میں ہڈیاں پیدا کیں (چالیس روز) پھر پہنایا ہم نے ہڈیوں پر گوشت (چالیس روز)، پھر پیدا کیا ہم نے شکل اور، پس وہ بہت برکت والا ہے اللہ بہتر ہے پیدا کرنے والوں کا۔“

مشکاۃ شریف، ص: ۱۲ میں ابن مسعود سے روایت ہے کہ فرمایا رسولِ کریم ﷺ نے: ”إن خلق احدكم يجمع ف بطن أمة أربعين يوما نطفة ثم يكون علقة مثل ذلك ، ثم يكون مضغة مثل ذلك الحديث.“ (الترمذي، حديث: ٢١٣٤، باب ماجاء أن الأعمال، بالخواتيم، ٤/ ٤٤٦)

یعنی چالیس روز میں نطفہ کا علقہ بنتا ہے، پھر چالیس دن میں مضغہ۔

روح البیان جلد اول، ص: ۹۲، ترمذی، جلد: ۲، ص: ۳۸ میں لکھا ہے کہ جب آدم کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کرنا چاہا تو چالیس روز اس کی مٹی گوندھی گئی، چالیس پر دے چالیس روز خمیر سے پیدا ہو گئے، جس کے صفا کرنے کے لیے چلہ مقرر ہوا۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے جب کتاب مانگی تو خدا نے فرمایا کہ چالیس رات عبادت کرو، دن کو روزہ رکھو، رات کو قیام کرو، پھر کتاب ملے گی۔

” وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً “ (البقرۃ: ۵۱)

اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ فرمایا۔ میں اسی کا ذکر ہے، کیا اسی وقت خدا تعالیٰ کتاب نہیں دے سکتا تھا، نہیں اس میں کوئی حکمت تھی، اسی طرح میت کے چالیسویں میں بھی حکمت ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان چالیس روز یکم ذی الحجہ سے دس محرم تک آیا۔ یونس علیہ السلام بھی مچھلی کے شکم میں یکم ذی الحجہ سے دس محرم تک پورے چالیس دن رہے تو قصور معاف ہوا۔ حضرت داؤد علیہ السلام بھی چالیس روز سجدے میں استغفار کرتے رہے، دسویں محرم کو معافی ہوئی۔ دنیا کو قائم رکھنے کے لیے چالیس ابدال خدا نے پیدا کیے، جوذاکر مرجاتا ہے وہ ٹکڑا زمین کا چالیس روز تک روتا رہتا ہے۔ نفاس کی اکثر مدت چالیس روز ہے۔ اعلان نبوت بھی چالیس سال بعد ہوا۔ عقل بھی چالیس سال تک کمال کو پہنچتی ہے۔ شرابی کی نماز چالیس دن تک قبول نہیں ہوتی۔ شرابی کی حد بھی چالیس کوڑے ہیں۔ جنازہ میں چالیس آدمیوں کا حاضر ہونا موجبِ مغفرت ہے۔

ان سب باتوں سے معلوم ہوا کہ اربعین (چالیس دن) میں ضرور کچھ خصوصیت ہے۔ اسی واسطے صدقۂ میت چالیس روز تک مستحب ہے۔ اگر دن معین کرنے پر اعتراض ہے تو مذکورہ بالا تعیین کا جواب دیں۔

شہیدوں کے مزارات پر خود حضور علیہ السلام سال بسال جایا کرتے تھے، خلفاے اربعہ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے اور ان کو مخاطب کر کے فرمایا کرتے تھے: "سلامٌ علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار"

(صحیح ابن حبان ۲۱،۷۴۲۱/۱۶، ۳۹-۳۹، ۴۳۸-۴۳۸۔ والحاکم: ۴۳۹۰،۲۳۹۳، ۸۱/۲، واحمد: ۶۵۷۰،۶۵۷۰/۲،۱۶۸)

سلامتی ہو تم پر تمھارے صبر کا بدلہ تو پچھلا گھر کیا ہی خوب ملا۔

"وعن رسول الله ﷺ أنه كان يأتي قبور الشهداء رأس كلّ حول فيقول السلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار والخلفاء الأربعة هكذا كانوا يفعلون."

(مصنف عبدالرزاق: ۶۷۱۶، ۳/۵۷۳، وفی روایۃ وأبو بکر وعمر وعثمان کانوا یفعلون ذلک)

جناب رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ہر سال کے آخر پر شہدا کی قبروں پر تشریف لایا کرتے تو فرماتے: تم پر سلامتی ہو، تمھارے صبر کا بدلہ آخرت کا گھر کیا خوب ملا۔

اور چاروں خلفا ایسے ہی کیا کرتے تھے۔ (تفسیر کبیر، ۵/۲۰۶)

معلوم ہوا کہ عرس کی اصل شرع میں ہے، قبر پہ سال بہ سال جانا ہی عرس ہے۔ شاہ عبدالعزیز کا فرمان زبدۃ النصائح، ص: ۴۲ میں ہے:

"آرے زیارت و تبرک بقبور صالحین و امداد و ثواب و تلاوت و دعاے خیر و تقسیم طعام و شیرینی مستحسن و خوب است باجماع علما و تعیین روز عرس براے آنست کہ آں روز مذکر انتقال ایشاں می باشد از دار العمل بدار الثواب، الاہر روز کہ ایں عمل واقع شود موجب فلاح و نجات است، خلف را لازم است کہ سلف خود را بایں نوع برو احسان نمائندہ، چناں چہ در حدیث مذکور است وولد صالح يدعو له۔ (نیک لڑکا اس کے لیے دعا کرتا ہے)

احادیثِ متعدّدہ سے یہ بات ثابت ہے کہ مردہ چالیس روز تک اپنی قبر میں آزمایا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی المطالب العلیہ میں روایت کرتے ہیں: أخرج الإمام أحمد في الزهد عن سفيان قال: قال طاؤس: إن الموتى يفتنون في قبورهم سبعا و كانوا يستحبون أن يطعم عنهم تلك الأيام. (حلية ١١/ ٤، صفة الصفوة، ٢/ ٢٨٩)

"طاؤس کہتے ہیں کہ مُردے سات روز تک اپنی قبروں میں آزمائے جاتے ہیں، توصحابہ ان دنوں میں ان کی طرف سے کھلانا پسند کرتے تھے۔"

بیہقی نے انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے: إن الأنبياء لا يتركون في قبورهم بعد أربعين ليلة ولكنهم يصلون بين يدى الله حتى ينفخ فى الصور.

(أخرجه الديلمى، فى الفردوس: (٨٥٢) ١/ ٢٢٢)

یعنی انبیا اپنی قبروں میں نہیں چھوڑے جاتے بعد چالیس رات کے، لیکن وہ نماز پڑھتے ہیں خدا کے روبرو قیامت تک۔

زرقانی اس حدیث کے یہ معنی لکھتے ہیں کہ چالیس روز اس جسد مدفون فی القبر سے روح بہت پیوستہ رہتی ہے۔ بعد ازاں وہ روح قرب الٰہی میں عبادت کرتی ہے۔ اور متشکل بشکل جسد ہو کر جہاں چاہتی ہے، جاتی ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إذا مات المؤمن يدور روحه حول داره شهراً.

جب مومن فوت ہوتا ہے تو اس کی روح ایک ماہ تک اس کے گھر کا چکر لگاتی رہتی ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ دقائق الاخبار میں ابو ہریرہ سے حدیث لکھتے ہیں کہ: جب مومن مرتا ہے ایک ماہ تک اس کی روح اپنے گھر کے اردگرد پھرتی رہتی ہے اور اپنے وارثوں کی تقسیم واداے دین دیکھتی رہتی ہے۔ ایک ماہ کے بعد اپنے جسم کی طرف نظر کرتی ہے کہ کون اس کے لیے دعا کرتا ہے۔ الخ۔

الحاصل چالیس روز کی خصوصیت اسی لیے ہے کہ چالیس روز تک روح کا تعلق رہتا ہے۔

خزانۃ الروایات اور شرح برزخ میں ہے: و ينبغي أن يواظب على الصدقة للميت إلى سبعة أيام و قيل إلى أربعين فإن الميت يشوق إلى بيته.

چاہیے کہ سات دن تک ہمیشہ میت کے لیے صدقہ دیا جائے۔ بعض نے کہا کہ چالیس دن تک، کیوں کہ میت (ان دنوں میں) اپنے گھر کی طرف مائل ہوتی ہے۔

شاہ عبد العزیز صاحب اپنی تفسیر میں آیت کریمہ والقمر إذا اتسق کے تحت لکھتے ہیں:

نیزوارداست کہ مردہ دراں حالت مانندِغریقے است کہ انتظار فریادرسی می برد، وصدقات وادعیہ فاتحہ دریں وقت بسیار بکار اومی آید، وازیں جا است کہ طوائف بنی آدم تا یک سال وعلی الخصوص تا یک چلہ بعد موت دریں نوع امداد کوشش تمام می نمایند۔

اس ملک میں دسواں، چالیسواں گھر میں کیا جاتا ہے۔ گھر میں للہ کھلانے کی کوئی دلیل ممانعت کی نہی ہے، اس کی زیادہ تحقیق میری کتاب نصرۃ الحق کا صفحہ ۵۳ دیکھو۔

فتاویٰ بزازیہ کی عبارت بھی مفید خصم نہیں۔ کبیری شرح منیہ میں اس عبارت کو لکھ کر لکھا ہے: ولا یخلو عن نظر لأنه لا دلیل علی الکراھة. کہ اس کھانے کو مکروہ کہتے ہیں، شبہہ ہے، کیوں کہ کراہت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ پھر فرمایا: وإن اتخذوا طعاما للفقراء کان حسنا. یعنی فقیروں کو کھلایا جائے تو اچھا ہے۔

مولوی عبدالحی صاحب لکھتے ہیں: خاص کرنا اور ضروری سمجھنا کہ پس و پیش ثواب نہیں پہنچتا، یہ شریعت میں ثابت نہیں۔

لکھتے ہیں: مقرر کردن روزِسوم وغیرہ باتخصیص واوراضروری انگاشتن در شریعت محمدیہ ثابت نیست۔ صاحبِ نصاب الاحتساب آں رامکروہ نوشتہ رسم وراہِ تخصیص بگذارند وہر روزیکہ خواہند ثواب بروح میت رسانند ومیت قریب مرگ خود زیادہ تر محتاج مدد می شود ہر قدر کہ ایصال ثواب بہر روزے کہ شود موجب خیر است۔

اس عبارت کو غور سے ملاحظہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر روز اول دوم سوم جو دن بھی ہو اسی روز کھانے کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ کوئی تیسرے دن کی خصوصیت نہیں۔

پھر آگے فرماتے ہیں: اگر کسے ایں طور مخصوص بعمل آورد آں طعام حرام نشود بخوردنش مضائقہ نیست وایں رادانستن (کہ بغیر اس روز کے ثواب نہ پہنچے گا) مذموم است وبہتر ست کہ ہر چہ خواہند خواندہ ثواب آں بمیت رسانند وطعام رابہ نیت تصدق بفقراء خوانندو ثوابش نیز باموات رسانند۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ خاص تیسرا روز ہی صدقہ کے لیے خاص نہ کرو، جس سے معلوم ہوا کہ روز دیا کرو۔ اگر کوئی ایسا کرے تو اس کا کھانا منع نہیں۔ بہتر ہے کہ طعام وکلام کا ثواب میت کو پہنچائے۔ اگر ختم وغیرہ روٹی پر مطلق ناجائز کہتے تو یوں نہ کہتے کہ جو کچھ پڑھا ہے اس کا ثواب میت کو پہنچائے۔

مختار یہ ہے کہ قرآن خوانی سے میت کو نفع پہنچتا ہے۔ مولوی اسحاق صاحب بھی لکھتے ہیں:

حافظاں رابرائے قراءت قرآن نشاندن نزد قبر دریں مسئلہ اختلاف علماء است۔ مختار ہمیں است کہ جائز است۔

کھانے پر فاتحہ دینا احادیث سے ثابت ہے، پھر اسے کیوں بدعت کہا جائے؟

عن أبي هريرة قال لما كان يوم غزوة تبوك أصاب الناس مجاعة ، قال عمر: يا رسول الله! أدعهم بفضل أزوادهم ثم ادع الله لهم عليها بالبركة، فقال نعم. فدعا بنطع فبسط ثم دعا بفضل ازوادهم فجعل الرجل يجيئ بكف ذرة ويجيئ الآخر بكف تمرة ويجيئ الآخر بكسرة حتى اجتمع على النطع شيئ يسير فدعا رسول الله ﷺ بالبركة.... (الحدیث، رواہ مسلم، حدیث نمبر ۲۷، ۱/ ۵۶)

لوگ غزوہ تبوک میں بھوک سے لاچار ہوئے تو حضرت عمر نے عرض کی کہ حضور دعا فرمادیں۔ آپ نے دسترخوان بچھایا اور فرمایا کہ جو کچھ کسی کے پاس ہے لے آؤ۔ تب کسی نے مٹھی بھر جوار، کسی نے مٹھی بھر کھجور، کسی نے ٹکڑا روٹی کا حاضر کیا، پھر آپ نے برکت کی دعا کی۔

اس وقت سیکڑوں آدمی تھے جنھوں نے حضور کو کھانا سامنے رکھ کر دعا فرماتے ہوئے دیکھا۔ افسوس کہ آج کل لوگ یہی کہتے ہیں کہ کھانے پر دعا مانگنی حدیث سے ثابت نہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں:

اگر ملیدہ وشیر برنج بنابر فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب بروح ایشاں پزند بخورانند مضائقہ نیست، جائز است وطعام نذر اللہ اغنیاء راخوردن حلال نیست۔ اگر فاتحہ بنام بزرگ دادہ شود پس اغنیاراہم خوردن دراں جائز ست (زبدۃ النصائح)

دیکھو کھانے پر فاتحہ خاص شاہ ولی اللہ دہلوی سے ثابت ہے۔ نیز شاہ ولی اللہ محدث دہلوی انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں فرماتے ہیں۔

پس دہ مرتبہ درود خوانند ختم تمام کنند وبرقدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگان چشت عموماً بخوانند وحاجت از خدائے تعالیٰ سوال نمایند الخ۔

مسلمانوں کے واسطے توبہ کار خیر موجبِ نجات ہے۔ ہاں منکروں کے لیے بے شک درود اور فاتحہ بے کار ہے۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کہ مرتد بعد تین دن قید کرنے کے اگر توبہ نہ کرے تو قتل کیا جائے اور اس کے لیے فاتحہ، درود اور صدقات نہ ہونے چاہیے۔ عبارت ان کی یہ ہے: "بعد از سہ روز اگر توبہ از وے درست نشود او را بایدکشت و د مقابر مسلمین او رادفن نباید کرد و بآئین مسلمین او را تکفین وتجہیز نباید کرد و برائے او فاتحہ ودرود وصدقات نباید فرستاد۔"

شاہ صاحب نے خوب فیصلہ کیا ہے۔

روحوں کے آنے کے متعلق خزانۃ الروایات میں ابن عباس سے

مروی ہے: إذا كان يوم عيدٍ أو يوم عاشوراء أو ليلة نصفٍ شعبان تأتي أرواح الأموات و يقومون على أبواب بيوتهم.

ابنِ عباس فرماتے ہیں کہ: عید اور عاشورا اور نصف شعبان کی رات میں مُردوں کی روح اپنے گھروں میں آتے ہیں۔

یہ حدیثیں بھی اس کی موید ہیں: عن مالك بن أنسٍ قَالَ : بلغني أَنَّ أَرْوَاحَ المؤْمِنِيْنَ مُرْسَلَة تذهب حيث شاءت.

یعنی مومنوں کی ارواح جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں۔

عن سليمان قال: أرواح المؤمنين في برزخ من الأرض تذهب حيث شاءت ونفس الكافرِ في سجين. (الزهد لابن مبارك(٤٣٠) ١/ ١٤٤)

یعنی کافر سجین میں بند ہیں روحِ مومن جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

و در بعض روایات آمدہ است کہ روح میت می آید خانہ خود را شب جمعہ پس نظر می کند کہ تصدق می کند از وے یانہ۔

فتاویٰ نسفیہ میں ہے: أن ارواح المؤمنين يأتون في كل ليلة الجمعة و يوم الجمعة فيقومون بفناء بيوتهم ثم ينادى كل واحد منهم بصوت حزين يا أهلى ، و يا أولادى و يا أقربائى اعطوا علينا بالصدقة.

یعنی ارواح مومنین ہر جمعرات وجمعہ کو اپنے گھروں میں آتی ہیں اور غم زدہ آواز سے پکارتی ہیں کہ اے میرے گھر والو! اے میری اولاد! اے میرے قریبو! ہمیں صدقہ دے کر ہماری حالت پر رحم کرو۔

ہم اس لیے ان دنوں صدقہ کرتے ہیں تاکہ ارواح میت خوش ہوں۔

غیر کے عمل سے نجات:

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْاۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ۝ رَبَّنَا وَ اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِ الَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّیّٰتِهِمْؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۝ وَقِهِمُ السَّیِّاٰتِؕ وَمَنْ تَقِ السَّیِّاٰتِ یَوْمَىٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗؕ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۝ (سورۃ الغافر: ۷،۸،۹)

وہ جو عرش اٹھاتے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بولتے اور اس پر ایمان لاتے اور مسلمانوں کی مغفرت مانگتے ہیں۔ اے رب ہمارے تیرے رحمت و علم میں ہر چیز کی سمائی ہے تو انہیں بخش دے جنھوں نے توبہ کی اور تیری راہ پر چلے اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے اے ہمارے رب اور انہیں بسنے کے باغوں میں داخل کر جن کا تونے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور ان کو جو نیک ہوں ان کے باپ دادا اور بیبیوں اور اولاد میں بیشک تو ہی عزّت و حکمت والا ہے اور انہیں گناہوں کی شامت سے بچالے اور جسے تو اس دن گناہوں کی شامت سے بچائے تو بیشک تونے اس پر رحم فرمایا۔ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

حاملینِ عرش تمام فرشتوں سے افضل ہیں۔ عام فرشتوں کا حکم ہے کہ ان کے لیے صبح و شام سلام کہا کریں۔

حاملینِ عرش کے قد اتنے دراز ہیں کہ قدم ان کے زمین پر ہیں اور سر عرش پر ہیں۔ ستر ہزار فرشتے عرش کا طواف کرتے رہتے ہیں اور ستر ہزار فرشتے کھڑے تکبیر کہہ رہے ہیں اور سو ہزار فرشتے اور ہیں، یہ سب خدا کی حمد و ثنا کر رہے ہیں، وہ حمد و ثنا جو دوسرا نہیں کر سکے ا۔ اور ایمان والوں کے لیے بخشش کی دعا مانگتے رہتے ہیں۔ (خواہ ایمان والے زندہ ہوں یا مردہ)۔

قد ثبت أن كمال السعادة مر بوط بأمر ين التعظيم لأمر الله و الشفقة على خلق الله.

یہ بات ثابت ہوئی کہ کمالِ سعادت کا انحصار خدا کے حکم کی تعظیم اور خدا کی مخلوق پر شفقت ہے۔

ان دونوں سے مقدم حقوق اللہ ہیں۔ اس کے بعد شفقت علی خلق اللہ۔ اسی واسطے فرشتوں نے پہلے خدا کی حمد و ثنا کی، بعدہ ایمان والوں کے لیے بخشش طلب کی۔

اہلِ تحقیق فرماتے ہیں کہ فرشتوں کا مومنوں کے لیے بخشش مانگنا اس لیے تھا کہ انھوں نے انسان کی غیبت کی تھی۔ کہا تھا:

اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا (سورة البقرة: ٣٠)

کیا تو اس کو (زمین میں اپنا خلیفہ و نائب) بنائے گا جو اس میں فساد برپا کرے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو کسی کی غیبت کرے یا کسی کو ایذا دے تو غیبت کرنے والا معافی مانگے۔ یا اس کے لیے دعاے خیر مانگے۔

إن كفارة الغيبة أن استغفر لمن اغتبته. (مشکوٰۃ،۴۰۷)

قال سعيد بن جبير: يدخل المومنون الجنة فيقول أين أبي ، أيس ولدي، أين زوجي؟

فيقال: إنهم يعملوا مثل عملك فيقول : إنى كنت أعمل لى أولهم فيقال أدخلوهم الجنة. (روح البيان، ٣/ ٤٣٢)

سعید بن جبیر کہتے ہیں: اہلِ ایمان کو جنت میں داخل کیا جائے گا تو کہے گا کہ میرا باپ کہاں، میری اولاد کہاں اور میری بیوی کہاں ہے؟

ان سے کہا جائے گا کہ انھوں نے تیرے جیسے اعمال نہیں کیے۔ تو وہ کہے گا کہ میں اپنے لیے کرتا رہا ان کے لیے۔ تو کہا جائے گا، ان کو لے جاؤ

جنت میں۔

عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: إذا كان يوم القيامة نودى فى أطفال المسلمين أخرجوا من قبوركم فيخرجون من قبورهم فينادى فيهم ان امضوا الى الجنة زمرا، فيقولونُ يا ربنا ووالدينا معنا، فنادى فيهم الثانية ان امضوا إلى الجنة زمراً، فيقولون، يا ربنا ووالدينا معنا؟ فتبسم الرب تعالىٰ فيقول : ووالديكم معكم.(روح البیان، ۴۳۲/۳)

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے، کہتے ہیں:جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:جب قیامت کا دن ہوگا تو مسلمانوں کے بچوں کو پکارا جائے گا کہ، اپنی اپنی قبروں سے باہر نکل آؤ، وہ اپنی قبروں سے باہر نکل آئیں گے۔ پھر انھیں کہا جائے گا کہ جنت میں ٹولیوں کی صورت چلے جاؤ، وہ کہیں گے کہ:اے ہمارے پروردگار! ہمارے والدین بھی ہمارے ساتھ (ہوں)، انھیں دوبارہ آواز دی جائے گی کہ ٹولیاں بناکر جنت میں داخل ہوتے جاؤ، وہ عرض کریں گے:اے ہمارے رب! ہمارے والدین ہمارے ساتھ؟ تو رب تعالیٰ مسکرائے گا اور فرمائے گا۔ تمھارے والدین بھی تمھارے ساتھ (جنت میں جائیں گے)

ان حدیثوں سے یہ بخوبی ثابت ہوا کہ غیر کی امداد سے بھی لوگ جنت میں جائیں گے۔

عن أبي سعيد الخدرى قال: قال رسول الله ﷺ: يتبع الرجل يوم القيامة من الحسنات امثال الجبال فيقول : أنى هذا؟ فيقال باستغفار ولدك. (مجمع الزوائد، ۱۷۵۹۶)

ابو سعید روایت فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ: قیامت میں آدمی کو نیکیاں مثل پہاڑ کے ملیں گی۔ پس کہے گا وہ شخص کہ یہ کہاں سے ہے؟ کہا جائے گا کہ یہ تیرے فرزند کے استغفار سے۔

حاصل یہ ہے کہ جس نے صلہ رحمی اپنے فوت شدہ قرابت داروں کے ساتھ صدقہ و خیرات سے کی، صرف وہی جنتی نہیں ہے بلکہ ان کے والدین و اولاد بھی جن کے لیے صدقہ کیا گیا۔ وہ بھی جنت میں داخل ہوں گے۔

اگر دن یا وقت مقررہ پر اعتراض ہے تو مخالف شادیوں میں دن کیوں مقرر کرتے ہیں، نیز نمازوں میں کیوں وقت مقرر کرتے ہیں۔ مثلاً دن ڈھلنے سے ظہر کا وقت دو مثل یا ایک مثل تک رہتا ہے تو آپ لوگ کیوں ایک بجے یا ڈیڑھ بجے ظہر پڑھتے ہیں۔ کیوں نہیں، کبھی اول وقت اور کبھی آخیر وقت نماز پڑھ لیتے ہیں؟ فما هو جوابكم فهو جوابنا.

زندوں کے عمل سے مردہ کی نجات:

نمازِ جنازہ کو دیکھیے، جس میت پر چالیس مسلمان نمازِ جنازہ پڑھ لیں، وہ میت بخشی جاتی ہے:

مامن رجل مسلم يموت فيقوم على جنازة أربعون رجلا لا يشركون بالله شيئاً الا شفعهم اليه فيه.

جب کوئی مسلمان فوت ہوتا ہے اور اس کے جنازہ پر چالیس آدمی نماز پڑھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے، اللہ تعالیٰ اس کے حق میں ان کی شفاعت قبول فرماتا ہے۔

ایک روایت میں سو آدمی کا حاضر ہونا شرط ہے۔ (ترمذی)

عن مالك بن هبيرة إذا صلى على جنازة، فتقال الناس عليها جزاهم ثلاثة اجزاء، ثم قال: قال رسول الله ﷺ : من صلى عليه ثلاثة صفوف فقد اوجب. (ترمذی:۱۰۲۲)

یعنی مالک بن ہبیرہ جب کسی جنازے پر آدمی کم دیکھتے تو فرماتے تین صفیں کر لو۔ اور فرماتے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس جنازہ پر تین صفیں ہوں اس کی بخشش واجب ہو جاتی ہے۔

دیکھیے! زندوں کے عمل سے مردوں کی نجات قطع رحمی کرنے والے شاید صلاۃ خمسہ میں تشہد کے بعد دعا بھی چھوڑ دیتے ہوں گے۔

☆☆☆

حرمِ محترم اور اس کے گرد و پیش سازِ فطرت کے لیے ایسی مضراب ہیں جن کے پڑتے ہی عشق و ایمان کے نغمات بیدار ہو جاتے ہیں۔

محمد رسول اللہ ﷺ جس پاک شریعت، دائمی قانون اور ہمہ گیر دین کا تکمیلی صحیفہ لے کر تشریف لائے، وہ دین و دنیا کا ایسا نگار خانہ اور حکمتوں اور مصلحتوں کا ایسا بے غبار آئینہ ہے جس میں فطرت کا جمال اور خرد کی رعنائی اپنی تمام تر خصوصیات کے ساتھ انگڑائی لیتی نظر آتی ہے۔ اسلام کی تمام تر عبادتوں میں جہاں اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی کارفرمائیاں ہیں، وہیں سازِ فطرت کی نغمہ سرائیاں بھی۔ حج کی عبادت بھی اپنے گرد و پیش اور احکام و شریعت کی روشنی میں عشق و ایمان کا ایسا سدا بہار چمن ہے جس میں ایک مرتبہ پہنچنے کے بعد ہر زائر اس کی خوشبوئے معنبر سے سرشار اور زندگی بھر اس کی عطر بیزیوں سے معطر رہتا ہے۔

مرکزیت: عرشِ الٰہی کے سائے میں خانۂ کعبہ خداوند عالم کا وہ مقدس گھر ہے جس پر اس کی رحمت و غفاری کی برکھا ہر لمحہ برستی رہتی ہے، اور قریب ہونے والے کے دامنِ عصیاں کو دھو کر صاف کرتی رہتی ہے۔ یہ وہ آئینہ ہے جہاں براہِ راست اس کی عنایتوں کا عکس پڑ کر پوری دنیا کو روشن و منور بناتا ہے۔ یہی وہ مرکز ہے جہاں سے حق پرستی کا اولین نعرہ بلند ہوا، یہی وہ مطلعِ انوار ہے جس کی نورانی کرنوں نے خاک کے ذروں کو کہکشاں کا جمال عطا کیا۔ یہی وہ شیرازہ ہے، جس نے مختلف ملکوں اور شہروں میں بسنے والوں، مختلف تمدن میں زندگی بسر کرنے والوں اور مختلف تہذیب و معاشرت میں پروان چڑھنے والوں کو اس طرح منظم و مربوط کیا کہ دنیا اپنے فطری اختلافات اور طبعی امتیازات سے یکسر الگ ہو کر ایک خانۂ کعبہ کے گرد چکر لگاتی اور ایک قبلہ کے روبرو سر جھکاتی اور اسی کو اپنا مرکزِ یقین تسلیم کرتی نظر آتی ہے۔ یہی وہ مرکزِ اہلِ ایمان ہے جس نے قومیت، وطنیت، رنگ، نسل اور ملک و زبان کے تمام امتیازات و تعصّبات ختم کر کے ساری دنیا کے مسلمانوں کو ایک ہی وطن، ایک ہی قومیت، ایک ہی تمدن، ایک ہی معاشرت اور ایک ہی زبان کے سلسلے میں اس طرح پرو دیا جس سے انسان کی بنائی ہوئی تمام خود ساختہ دیواریں منہدم ہو گئیں اور اس مرکزِ اسلام یا شہرِ وفا میں دنیا کی تمام قومیں ایک ملک، ایک لباس، ایک وضع اور ایک زبان میں دوش بدوش اور شانہ بشانہ ہو کر ایک قوم نہیں بلکہ ایک خاندان کے افراد کی طرح نظر آتی ہیں۔

خانۂ کعبہ کی مرکزیت کا یہی وہ عظیم مظہر ہے جس کے درسِ وحدت نے ان تمام مادی امتیازات کو یکسر ختم کر دیا جو قوموں اور ملکوں کے درمیان جنگ و جدل اور فتنہ و فساد کا سبب بنا کرتی ہیں۔

اجتماعیت: آج کی مہذّب اور ترقی یافتہ دنیا نہ جانے کب سے یہ خواب دیکھ رہی ہے کہ وہ دنیا کی مختلف قوموں کے درمیان اتحاد پیدا کرنے کے لیے ایک عالمی کانفرنس یا بین الاقوامی اجتماع کا اہتمام کرے۔ لیکن افسوس کہ اپنے تمام تر مادی وسائل کے باوجود ترقی یافتہ دنیا میں یہ خواب آج تک حقیقت میں نہ بدل سکا اور انسانی برادری کو قومیت وطنیت اور لسانی عصبیت کے تنگ آنگن سے نکال کر انسانی برادری کو قومیت وطنیت سے روشناس نہ کرا سکی، جب کہ ملت ابراہیمی کی دعوت اور سید الانبیا ﷺ کی رسالت نے صدیوں پہلے یہ خواب دیکھا اور صحن ابراہیمی کے ارد گرد اس کی حسین و جمیل تعبیر پیش فرما دی، یہ عظیم اور بے مثال بین الاقوامی اجتماع جس میں دنیا کے ہر ملک کا نمائندہ شریک ہوتا ہے۔ الحمد للہ چودہ سو سال سے بھی زیادہ عرصے سے قائم ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک قائم رہے گا، یہ صحیح ہے کہ آج مسلمانوں نے اس عظیم اجتماع سے فائدہ حاصل کرنا چھوڑ دیا، لیکن تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ جب تک مسلمان ایک منظم حکومت یا خلافت کے ماتحت رہے، اس وقت تک موسمِ حج مسلمانوں کے اجتماعی مسائل کے حل کا بہترین موقع تھا۔ اسی زمانے میں امورِ خلافت کے تمام اہم معاملات طے ہوا کرتے تھے، یہ اسی عالمی اجتماع کا مبارک و مسعود عطیہ تھا کہ اسپین سے لے کر سندھ تک اور ترکستان سے لے کر عرب تک مختلف ممالک کے گورنر، اربابِ اقتدار اور حکام جمع ہوتے تھے، خلیفۂ اسلام کے سامنے مسائل پر بحث کر کے طریقۂ عمل متعیّن کرتے تھے۔ ملکوں کی رعایا اپنی اپنی شکایتیں پیش کر کے انصاف پاتی تھی، اگر آج بھی مسلمان چاہیں تو اس عالمی اجتماع سے بے پناہ سیاسی فائدے حاصل کر سکتے ہیں اور دنیا کی عظیم طاقتوں کو اپنے اجتماعی فیصلوں کے آگے جھکنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔

دار العلوم خیریہ نظامیہ، سہسرام، رہتاس، بہار Malikuzzafar786@gmail.com

اشاعت: اس دور میں جب سفر کی یہ مادی سہولتیں نہیں تھیں، کہیں آنا جانا انتہائی دشوار، آمد و رفت مشکل اور رسل و رسائل کا مسئلہ بہت پیچیدہ تھا، اسلام کے مسائل و احکام و دین محمدی کے علوم و معارف کا دَم کے دَم میں اور سال بسال دور دراز ملکوں، شہروں اور قوموں کے درمیان پہنچ جانا بھی اسی مقدس فریضے کی برکتوں کا نتیجہ ہے، اس عہدِ مبارک میں جلیل المرتبت صحابہ، عالم، محدث، مفسر اور فقیہ جو اسلامی فتوحات کے بعد دور دراز ملکوں میں پھیل گئے تھے، وہ سال بہ سال صحن ابراہیمی میں جمع ہوتے اور ایک دوسرے سے مل کر اس علم کو جو دنیا میں پھیلا ہوا تھا، ابراہیمی درس گاہ کے صحن میں بیٹھ کر ایک دفتر میں جمع فرمادیتے تھے۔ یہاں آکر بلخ کا باشندہ اسپین و مراکش والوں سے، عربی عجمی سے، رومی ایرانی سے، مدنی ترکی سے، کوفی بصری سے، ترمذی نیشاپوری سے تبادلۂ فیضان و علوم کرتے تھے اور دَم کے دَم میں ایران کا علم روم میں، شام کی تحقیق اندلس میں، بخارا کی تصنیف نیشاپور میں، ترکستان کی روایت مصر میں اور عرب کا فیصلہ حبشہ میں پہنچ جاتا تھا۔ اسی جامعہ اور یونیورسٹی میں بیٹھ کر حضرت ابوہریرہ کے شاگرد حضرت عبداللہ ابن مسعود کے تلامذہ سے، حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ کے تلامذہ حضرت علی کے شاگردوں سے، حضرت انس بن مالک کے فیض یافتہ حضرت ابوحذیفہ کے تلامذہ سے مستفیض ہوتے تھے۔ ائمۂ دین ایک دوسرے سے ملاقات کر کے علوم و تحقیقات کا تبادلہ فرمایا کرتے تھے۔

حضرات صحابۂ کرام، ان کے شاگرد، پھر شاگردوں کے شاگرد اور ان کے فیض یافتہ اربابِ فضل و کمال کے دنیا میں پھیل جانے کی وجہ سے سیدِ عالم ﷺ کے حالات، سیرت، واقعات اور احکام و فرامین بھی اسی اعتبار سے دنیا بھر میں اس طرح پھیل چکے تھے کہ انھیں سمیٹ کر ایک دفتر میں جمع کرنا تقریباً محال تھا، لیکن حج مقدس کے اس عالمی اجتماع نے اس دشوار ترین امر کو انتہائی سہل اور آسان بنادیا اور سرکارِ دوعالم ﷺ کی تعلیمات و احکام کے متفرق اور منتشر اوراق مرتب و مدون ہو کر مسلمانوں کے سامنے آگئے۔ موطا، بخاری، مسلم، ترمذی اور حدیث پاک کے تمام دفاتر اور علوم و معارف کے زندۂ جاوید صحائف اسی حج کی برکتوں کی زندہ جاوید یادگار ہیں۔

اسلام کے ابتدائی ایام کی تاریخ کی ایک ایک سطر اور ایک ایک صفحہ اسی عرب اور حرمِ محترم کی مقدس زمین سے وابستہ ہے۔

حضرت سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام تک اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر سیدِ عالم حضرت محمد ﷺ تک عشق و ایمان کی داستان مسلسل کا پیراگراف اور اس کی ایک ایک سطر اسی حرم کے کوہ و صحرا، دشت و جبل اور در و دیوار سے متعلق ہے۔ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام نے یہیں سکونت اختیار فرمائی اور عرشِ الٰہی کے سائے میں خدا کا گھر تعمیر فرمایا۔ حضرت حوا علیہا السلام نے یہیں آکر حضرت آدم سے ملاقات فرمائی۔ حضرت سیدنا نوح علیہ السلام کی کشتی یہیں ساحلِ عافیت سے لگی۔ حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام نے یہیں ظالموں کے شر سے پناہ لی، حضرت ابراہیم علیہ السلام ہجرت فرما کر یہیں فروکش ہوئے، حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے یہیں مستقل سکونت اختیار فرمائی اور خاتم خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت اسی مقدس سرزمین پہ ہوئی، یہیں اللہ تعالیٰ کا وہ مقدس گھر ہے جسے حضرت سیدنا ابراہیم اور حضرت سیدنا اسماعیل علیہما السلام نے تعمیر فرمایا۔ یہیں وہ مقدس جنتی پتھر ہے جس نے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قدمِ پاک کے نشانوں کو اپنے سینے میں محفوظ کر کے مقدس و محترم ہو گیا۔ یہیں وہ منیٰ ہے جہاں عظیم باپ نے اپنے لختِ جگر کی قربانی پیش کرنی چاہی، یہیں وہ صفا و مروہ ہے جس پہ حضرت سیدتنا ہاجرہ علیہا السلام پانی کی تلاش میں دوڑیں، یہیں وہ بیر زم زم ہے جو حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی مقدس ایڑیوں کی گذر گاہ تھے۔ یہیں وہ غار حرا ہے جس کے افق سے قرآن پاک کی روشن شعاع بلند ہوئی، یہیں وہ صحنِ حرم ہے جہاں سرورِ کائنات ﷺ نے اپنی ظاہری عمر شریف کے ۵۳؍ سال بسر فرمائے۔ یہیں وہ مقام ہے جہاں براق کے قدم پڑے، یہیں وہ جبلِ رحمت ہے جہاں کھڑے ہو کر حضرت شفیع المذنبین نے دعا فرمائی تھی اور یہیں وہ گرد و پیش ہیں جس کا ایک ایک ذرہ تاریخ اسلام کا باب ہے۔ "فیہ آیات بینات"۔

مقامِ ابراہیم جلوؤں کے اس ہجوم، روحانیت کی اس انجمن، عشق کی اس وادی، اسلام کے اس چمن زار اور ایمان کے اس بہار اندر بہار گلشن میں پہنچنے کے بعد کون مسلمان ہے جس کے جذبات کے تلاطم ساحلِ مغفرت سے ٹکرائے نہ ہوں گے۔ قدم بہ قدم مشاہدات کی دنیا رشکِ فردوس نہ بنی ہوگی۔

ان شعائر اللہ اور نبوی جلوؤں میں گم ہو جانے کے بعد عقل و خرد کی مجال کہاں جو بے خودیِ عشق کی محفلِ خاص اور وارفتگیِ شوق کی خلوت گاہ میں اذنِ باریابی کی جرأت و ہمت کر سکے۔ یہاں نگاہ ادب خود بخود خم، سرِ عقیدت خود بخود سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ یہاں تو خود اپنے وجود کا احساس ختم ہو جاتا ہے، دل وجد کرنے لگتا ہے، آنکھوں کے پیمانے چھلکنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور سانسوں کی ہر آمد و شد مصروفِ تسبیح ہو جاتی ہے۔ عشق و ایمان کی تاریخ کا یہ ایسا کیف آور موڑ ہے جس کی لذت ایمان کو تازہ، عقیدتوں کو مستحکم اور شعائر اللہ کی محبت کو ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیتا ہے۔ محبتوں کا یہ جمال بلاشبہہ خانۂ کعبہ اور مکہ مکرمہ کی تاریخی حیثیت کا رہینِ منت ہے۔

طلبِ مغفرت: یہ صحیح ہے کہ انسان جہاں بھی توبہ واستغفار کرے وہیں گناہوں کی معافی مل سکتی ہے، لیکن موسمِ حج اور سرزمینِ حرم توبہ واستغفار اور مغفرت کے لیے بہترین مواقع پیش کرتے ہیں۔ حرمِ محترم اور اس کے گرد ونواح کی جو عظمت اور تقدیس ایک مسلمان کے دل میں ہے، ایک طرف تو اس کا یہ نفسیاتی اثر پڑتا ہے، دوسری طرف یہ خیال کہ یہی وہ مقدس سرزمین ہے جہاں حضرت آدم وحوا علیہما السلام نے اپنی اجتہادی لغزشوں پر دستِ دعا دراز کیے تھے، یہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے دعائیں مانگی تھیں، یہیں بہت سے انبیاے کرام نے دستِ دعا دراز فرمائے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہیں رحمت تمام حضرت محمد ﷺ نے اپنی گنہ گار امت کے لیے دعا فرمائی تھی۔ احساسات وتصورات کی ایمان بدوش تجلیوں کے پس منظر میں یقیناً ہم گنہ گاروں کی دعاے مغفرت کے لیے یہ مقامات موزوں تر ہیں۔ کون پتھر دل ہے جو یہاں موم بن کر پگھلنے کے لیے تیار نہ ہوگا، چناں چہ طواف میں، صفا ومروہ پر، عرفات میں، مزدلفہ میں، منیٰ میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے ان دعاؤں کا بڑا حصہ توبہ واستغفار اور طلبِ مغفرت کا ہوتا ہے کہ گناہوں کی سیاہی استغفار کے پانی سے دھونے کے لیے اس سے زیادہ بہتر اور مناسب جگہ اور کوئی نہیں۔

مراجعت: انسان کی نفسیات ہے کہ وہ اپنی زندگی میں کسی انقلاب، کسی تغیر اور کسی تبدیلی کے لیے عام طور پر کسی اہم موڑ کا منتظر رہتا ہے اور اس اہم موڑ کے آنے کے بعد انسان اپنی پچھلی زندگی سے الگ ہو کر ایک نئی زندگی کا آغاز اس طرح کرتا ہے کہ جہاں دونوں زندگیوں کے درمیان امتیازات کے واضح نشان ابھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کچھ لوگ تعلیم کی تکمیل کے بعد خود کو بدل دیتے ہیں، کچھ ملازمت کے حصول کے بعد، کچھ لوگ شادی کے بعد اپنے اندر تغیر پیدا کر لیتے ہیں، کچھ مرید ہونے کے بعد اور مختصر یہ کہ انسانوں کی زندگی میں بہت سارے ایسے اہم موڑ آتے ہیں جہاں سے انسان مراجعت کر کے اپنے آپ کو ایک نئی راہ پر لگا دیتا ہے یا لگانے پر قادر ہو جاتا ہے۔

حج بھی درحقیقت انسانی زندگی میں گذشتہ اور آئندہ کے درمیان خطِ فاصل اور حدِ امتیاز قائم کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے اور گناہوں کی دنیا سے مراجعت کر کے نیکیوں کے شہر کی جانب رخ کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ یہی وہ سرحد ہے جہاں سے انسان اپنی پچھلی زندگی ختم کر کے ایک نئی حیات کا آغاز کرتا ہے۔

ان مقدس مقامات کی زیارت قدم قدم پر توبہ واستغفار اور تجلیاتِ ربانی کے مشاہدات کے بعد یقیناً ایک بندۂ مومن شر سے خیر کی طرف اور خیر سے خیر تر کی طرف اپنے آپ کو موڑتا ہے، اس طرح زندگی کا گذشتہ باب بند ہو جاتا ہے اور اس کا دوسرا باب کھل جاتا ہے اور شاید یہ کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ حج کے بعد ایک مسلمان اپنے نئے اعمال کے لیے نئے سرے سے ابتدا کرتا ہے۔ چناں چہ اس سلسلے میں آقاے کونین ﷺ کا فرمانِ مقدس ہے: "من حج ولم یرفث ولم یفسق ورجع کیوم ولدته امه" ترجمہ: جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے حج کیا اور فسق وفجور، یا مرتکبِ گناہ نہیں ہوا تو وہ ایسا ہو کر لوٹتا ہے جیسا اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔

اخلاقی مصلحت: ہر انسان کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہوتا ہے اور مکمل کرنا ضروری ہے، حج ذمہ داریوں کی تکمیل کا بھی اہم ترین ذریعہ ہے۔ اہل وعیال کے نان ونفقے کے بعد جب حج کے زادِ راہ کے لیے رقم بچتی ہے تو حج فرض ہوتا ہے، اس طرح زیارت حرمین کا ہر شائق اہل وعیال کی ذمہ داریوں کا احساس بھی کرتا ہے اور کچھ پس انداز کرنے کی عادت بھی ڈالتا ہے اور اسی کے ساتھ قرض انسانی زندگی کا بڑا بوجھ ہے اور مسافرانِ حرم کے لیے قرض سے سبک دوش ہونا ضروری ہے۔ اس لیے اس بہانے انسان اس بارِ گراں سے بہر حال نجات پا جاتا ہے۔

انسان اپنی عام زندگی میں نہ جانے کتنے دشمن پیدا کرتا ہے لیکن جب زیارت حرمین شریفین کے لیے عزمِ سفر کرتا ہے تو لوگوں سے اپنے قصور کی معافی چاہتا ہے، روٹھوں کو مناتا ہے، اس طرح حج معاشرتی اصلاح کا بھی اہم ترین ذریعہ ہے۔

حج کے لیے حلال روزی اور جائز کمائی کا ہونا ضروری ہے، اس لیے اس سفرِ خیر کا آغاز کرنے سے پہلے ہر شخص حرام وحلال میں نہ صرف تمیز کرتا ہے بلکہ ہر ناجائز ذریعہ آمدنی ترک کر کے کسبِ حلال کا التزام کرتا ہے، اور حلال روزی کا جو اثر انسان کے قلب اور اس کی روحانی کیفیت پر پڑتا ہے وہ محتاجِ تعارف نہیں۔ اسلام میں قدم قدم پر مساوات کی تعلیم دی گئی ہے، نمازِ پنج گانہ میں بھی اگرچہ مساوات کا عنصر غالب ہے، لیکن بہر حال وہ حج کے مقابلے میں محدود ہے۔ مساوات کی شان اپنی تمام تر وسعتوں کے ساتھ موسمِ حج میں نظر آتی ہے، یہاں شانہ بشانہ، زانو بہ زانو کے ساتھ لباس کا اختلاف بھی ختم ہو جاتا ہے مختصر یہ کہ حج کی عبادت اپنے تمام ارکان کے ساتھ عظیم مصلحتوں اور فطرت کی تمام تر رعایتوں کا ایسا ایوان ہے جس کا ایک ایک نقش ونگار زبانِ حال سے پکار رہا ہے کہ: "جا ایں جاست" ☆☆☆

شیخ الاسلام سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی

بحیثیت مفسرِ قرآن

پروفیسر غلام یحییٰ انجم

۱۔ تفسیر نور بخشیہ۔ شیخ سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی
۲۔ تفسیر رنج سامانی ۔شیخ سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی
۳۔ اشرف البیان مع تفسیر اظہار العرفان۔ شیخ سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی
۴۔ تفسیر القرآن۔سید محمد اشرفی الجیلانی
۵۔ سید التفاسیر معروف بہ تفسیر اشرفی۔سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی

تفسیر نور بخشیہ :اس تفسیر کے بارے میں کتابوں میں ملتا ہے کہ یہ تفسیر شیخ اوحد الدین المعروف بہ سید مخدوم اشرف بن ابراہیم حسن حسنی جہاں گیر سمنانی کچھوچھوی (م ۸۰۸ھ) کی ہے جن کی ولادت سمنان میں ہوئی قرأت سبعہ کی تعلیم حاصل کی اپنے زمانے کے مشہور اساتذہ سے کسب علم کیا اور چودہ سال کی عمر میں تحصیل علم سے فراغت حاصل کی۔ ۱۹ سال کی عمر میں اپنے والد کی جگہ ملک سمنان کے سلطان ہوئے۔ شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی کی صحبت اختیار کی اس صحبت کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ ۲۳ سال کی عمر میں انہوں نے سلطنت اپنے بھائی محمد کے حوالہ کردی اور خود راہ حق میں نکل پڑے۔ سلطان محمد تغلق کے عہد حکومت میں ہندوستان کا رخ کیا اوچ لاہور تشریف لائے شیخ جلال الدین حسین بن احمد بخاری کی صحبت اختیار کی۔ پھر بہار کا رخ کیا شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کا وصال ہو چکا تھا۔ آپ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اس سفر میں حضرت شیخ بدیع الدین مدار مکن پوری آپ کے ساتھ تھے۔ سیر و سیاحت میں زیادہ وقت گزارا آخر میں روح آباد کچھوچھہ اتر پردیش میں سکونت اختیار کی اور ضلالت و گمراہی کا قلع قمع کر کے مشرقی اتر پردیش کو نور ایمان سے منور کیا، وہیں آپ کی ابدی آرام گاہ مرجع خلائق ہے۔

اس تفسیر کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں تاہم یہ مسلم ہے کہ تفسیر یا تو ہندوستان میں یا پھر سفر کے دوران لکھی گئی۔ اس سلسلے میں کوئی تفصیل دستیاب نہیں۔ اسی تفسیر کو غالباً "تفسیر رنج سامانی" بھی کہا جاتا ہے۔
(الاعلام۔ عبدالحی رائے بریلوی جلد ۳ ص ۲۶، صحائف اشرفی اول ص ۱۱۷)

ترجمۂ قرآن : محدث اعظم ہند حضرت مولانا سید محمد اشرفی الجیلانی کچھوچھوی (م ۱۳۸۳ھ) جائس ضلع رائے بریلی میں پیدا ہوئے، علمائے فرنگی محل اور مولانا لطف اللہ علی گڑھی سے استفادہ کیا، اپنے ماموں حضرت مولانا شاہ احمد اشرف کے مرید ہوئے، اچھے خطیب تھے، شاعری کا بھی ذوق تھا۔ آپ نے قرآن کریم کا ایسا سلیس ترجمہ کیا کہ جب اس ترجمہ پر امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں کی نظر پڑی تو انہوں نے مترجم قرآن سے برجستہ فرمایا :

" شاہزادے اردو میں قرآن لکھ رہے ہو"

(تذکرہ علمائے اہل سنت ص ۳۵۶)

یہ ترجمہ قرآن " معارف القرآن " کے نام سے اردو، ہندی اور گجراتی زبانوں میں شائع ہو چکا ہے۔

اشرف البیان مع تفسیر اظہار العرفان :

فارسی ترجمہ سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کا ہے اس فارسی ترجمہ کو اردو کے قالب میں محمد ممتاز اشرفی نے ڈھالا ہے یہ تفسیر جامعیت کے لحاظ سے قابل تعریف ہے کیوں کہ یہ تفسیر مستند کتب تفاسیر، کتب احادیث، اور دیگر قابل اعتبار کتابوں کا بہترین خلاصہ ہے اس بنا پر یہ اہل علم اور عوام دونوں کے لیے مفید ہے۔ مخدوم اشرف اکیڈمی کراچی سے ۲۰۰۸ء میں اس کی طباعت ہو چکی ہے۔

سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی :

حضرت مولانا سید محمد مدنی کی یہ تفسیر دس جلدوں میں مدنی آفسیٹ پرنٹرز کرچن گجرات سے طبع ہو چکی ہے اس تفسیر کی آٹھ جلدیں راقم السطور کی ذاتی لائبریری دانش کدہ میں موجود ہیں۔ ترجمہ کی زبان سادہ سلیس اور عام فہم ہے مصنف کتاب نے مستند تفاسیر قرآن سے اپنا حاصل مطالعہ قلم بند کرتے وقت اور ترجمہ معارف قرآن کو لڑیوں میں پروتے وقت جس شان سے کلام الٰہی کے مفہوم و مطالب کو آسان انداز اور سادہ اردو میں ظاہر فرمایا ہے وہ قاری کے لیے کسی قسم کا ذہنی و قلبی بوجھ نہیں بنتا اور وہ تیزی سے تفسیری مضامین کا مطالعہ کرتا چلا جاتا

ہیڈ ڈپارٹمنٹ آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ہمدرد (ہمدرد یونیورسٹی) نئی دہلی

ہے بقول محمد احمد سہروردی اشرفی :

"تفسیر میں اردو کے الفاظ کے استعمال کا اہتمام اس طرح کیا گیا ہے اور اس طرح ان کو تفسیری مضمون میں مناسب مقامات پر پرو گیا ہے کہ شان خداوندی اور مقام نبوت پر کوئی آنچ نہیں آتی جن آیات میں کوئی شرعی قانون بیان کیا گیا ہے ان کی تفسیر میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ عام قاری بھی اس قانون کو پوری طرح سے جتنا کہ ایک عام قاری کو ضرورت ہے سمجھ لے اور ساتھ ہی میں اس قانون کی مصلحت اس پر عمل کرنے کے فوائد اس کے خلاف کرنے کے نقصانات اور دور حاضر کے مطابق اس کے تعلق سے اور دوسری ضروری باتیں سبھی اس آیت کی تفسیر میں رقم کر دی جاتی ہیں بیان کا انداز اتنا دلچسپ اور انوکھا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے قاری عالم بالا میں تفسیر کی سماعت کر رہا ہو"۔

(سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی جلد دوم ص۱۵ گجرات ۲۰۰۹ء)

تفسیر اشرفی میں ترجمہ قرآن والد ماجد محدث اعظم ہند حضرت مولانا سید محمد اشرفی الجیلانی کا ہے جس کا نام "معارف القرآن" ہے۔ محدث اعظم ہند ترجمہ قرآن کی طرح قرآن مقدس کی ایک جامع تفسیر بھی لکھنا چاہتے تھے مگر علمی، دینی اور تبلیغی مصروفیت نے اس کی اجازت نہیں دی صرف ایک ہی پارہ کی تفسیر لکھ سکے جیسا کہ اس عبارت سے ظاہر ہے۔

پاکستان کے مشہور عالم دین حضرت مولانا محمد اطہر نعیمی فرماتے ہیں۔

" اس مرتبہ مسعود میاں سلمہ (پروفیسر مسعود احمد نقشبندی) جو علمی تحفہ لے کر آئے وہ کتاب ہدایت قرآن کریم کے تین پاروں کی تفسیر ہے پہلا پارہ حضرت محدث اعظم ہند کا علمی شاہکار ہے جب کہ بقیہ پاروں کی تفسیر کی ذمہ داری کو حضرت مولانا مدنی میاں نے اپنی ذمہ داریوں میں شامل کر لیا ہے۔ " پدر نتواند پسر تمام کند" پر عمل پیرا ہیں۔ اللہ تعالی ان کے حوصلہ بلند رکھے ان شاء اللہ یہ تفسیر مکمل ہو کر ملت مسلمہ کی طرف علمی تحفہ ہوگی "۔ (سید التفاسیر جلد دوم ص۱۹)

علامہ مدنی میاں نے اپنے والد ماجد کے چھوڑے ہوئے قلمی مشن کی تکمیل اسی نہج پر کی ہے جیسا وہ چاہتے تھے۔ یہ مدنی میاں کی تفسیر نویسی کا کمال ہے جو جامعیت والد ماجد کی تفسیر نویسی میں تھی وہی جامعیت ان کے یہاں بھی پائی جاتی ہے۔ اختصار میں اپنی بات کو انہوں نے اس انداز میں پیش کیا ہے کہ سامع کو کسی قسم کی تشنگی نہ رہنے پائے یہی اس تفسیر کی سب سے بڑی خوبی ہے اور کمال تو یہ ہے کہ جو بات کہی گئی ہے وہ مستند دلائل وبراہین کی روشنی میں کہی گئی ہے۔ اس اختصار میں صحیح معنوں میں جامعیت ومانعیت دونوں کی جھلک تمام تر کمال کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ ترجمہ قرآن " معارف القرآن "کی زبان کی سلاست تو پہلے سے ہی مسلم تھی مفسر نے بھی وہی انداز اپنا کر ترجمہ وتفسیر دونوں کو زندہ وجاوید بنا دیا۔ مبسوط تفاسیر کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن عہد حاضر میں جس طرح کی مشغولیات سے انسان دوچار ہے اس سے بھی انکار ممکن نہیں مختصر وقت میں بہت کچھ سیکھنے کا جذبہ اس تکنیکی دور کی پیداوار ہے اس معنی کر اس تفسیر کی افادیت اپنی جگہ مسلم ہے۔

ویسے "تفسیر اشرفی " کے تفسیری محاسن کیا ہیں ؟ اس موضوع پر اہل علم گفتگو کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں اور جس طرح اس کی اشاعت ہوتی رہے گی گفتگو کی جاتی رہے گی، ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ اس اختصار میں بھی آیت کا معنیٰ ومفہوم سمجھنے کے لیے جن چیزو ں کی ضرورت ہے سب کچھ اس تفسیر میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ نظم قرآن یعنی ربط آیات کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے، مثال کے طور پر چوتھا پارہ جس کا آغاز سورہ آل عمران کی ۹۲ ویں آیت لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون وما تنفقوا من شیٔ فان اللہ بہ علیم سے ہو تا ہے۔ اس آیت کا تیسرے پارہ کی آخری آیات سے کیا ربط ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے مدنی میاں لکھتے ہیں۔

"سابقہ آیات کریمہ میں واضح کیا جا چکا ہے کفر پر مرنے والے جہنم کے عذاب سے چھٹکارا پانے کے لیے اگر مرنے سے پہلے ہی دنیا میں زمین بھر سونا بطور فدیہ صدقہ کر دیں یا میدان قیامت میں جہاں وہ ایک گٹھلی بھر کے بھی مالک نہ ہوں گے، فرض کر لیجئے زمین بھر سونے کے مالک ہو جائیں اور پھر وہ سب اللہ تعالی کے عذاب سے بچنے کے لیے فدیہ دینا چاہیں تو دونوں صورتوں میں ان کا یہ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا المختصر وہ کسی طور پر جہنم کے عذاب سے نہیں بچ سکتے اور ہر حال میں ان کا صدقہ نامقبول رہے گا"۔

اب اگر یہ سمجھنا ہو کہ کس کا صدقہ مقبول ہوگا ؟ کب مقبول ہوگا ؟ کون سے صدقہ کی مقبولیت کی زیادہ امید کی جا سکتی ہے تو غور سے سنو:

لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون وما تنفقوا من شیٔ فان اللہ بہ علیم

ہرگز نہ پاؤ گے نیکی کو یہاں تک کہ خرچ کرو اس سے جس کو پسند کرتے ہو اور جو خرچ کرو تم کچھ تو بے شک اللہ اس کا جاننے والا ہے۔

(تفسیر اشرفی، جلد دوم ص۳۵)

مدنی میاں نے اس طرح ہر ایک آیت کو دوسرے سے مربوط کر کے معنیٰ ومفہوم کو واضح کر کے قاری کو کئی الجھنوں سے بچا لیا ہے اور اس مختصر تشریح میں جو اہم جملے ہیں جسے اس تفسیر کا حاصل کہا جاسکتا ہے نمایاں کر دیا ہے تاکہ قاری کی نظر اس نمایاں عبارت کو پڑھنے اور پر غور کرنے پر مجبور ہو جائے۔ اس تفسیر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہر جلد کے آخر میں قاری کی سہولت کے لیے حروف تہجی کے اعتبار سے مشکل الفاظ کے معانی بھی بتادیے گئے ہیں۔ تاکہ قاری بغیر کسی تاخیر اور الجھن کے قرآن کریم کی تفسیر سمجھ سکے اردو تفاسیر میں اس طرح کا اہتمام کم دیکھا گیا ہے۔

سید التفاسیر یعنی تفسیر اشرفی کی کل دس جلدیں ہیں جس میں پہلی جلد آپ کے والد ماجد محدث اعظم ہند کی تحریر کردہ ہے باقی نو جلدیں مدنی میاں نے لکھ کر اس تفسیر کی اسی طرح تکمیل فرمائی جس طرح والد ماجد چاہتے تھے۔ ان دس جلدوں میں راقم السطور کی ذاتی لائبریری دانشکدہ میں صرف آٹھ جلدیں ہی تھیں جسے خود مصنف نے ہدیۃً پیش کر کے خوردہ نوازی کا ثبوت دیا تھا پھر اول وآخر کی دو جلدیں حضرت مولانا نعیم الدین اشرفی (ہبلی) نے مہیا کرائیں اس طرح زیر نظر مقالہ میں راقم السطور دسوں جلدوں کا جائزہ پیش کرنے میں کامیاب ہو سکا۔

اس تفسیر کا معیار کیا ہے؟ جن کتب تفاسیر سے مفسر قرآن نے استفادہ کیا ہے ان کے حوالے نہ دینے کے اسباب کیا ہیں؟ چہ جائے کہ قاری کسی الجھن کا شکار ہو مصنف نے خود اس کی وضاحت کر دی ہے اور لکھا ہے کہ "میرا تفسیری حاشیہ در اصل معتبر کتب تفاسیر کا حاصل مطالعہ ہے جس کے گہر ہائے آبدار کو میں نے مخدوم الملت قدس سرہ کے اسلوب نگارش کی پیروی کرتے ہوئے ترجمہ معارف القرآن کی لڑیوں میں پرو دیا ہے بس صرف یہ پرو دینے والا عمل میرا ہے، باقی اس میں جو کچھ ہے وہ سب جلیل القدر مفسرین کی تحقیقات وارشادات ہیں۔

میں نے کتب تفاسیر میں جن جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے اس میں سے کسی بھی کتاب کا حوالہ نہیں پیش کیا ہے اس لیے ان کی تحقیقات پر مکمل عمل کر لینے کے بعد اور ان کو اپنے قلم سے پیش کر دینے کے بعد اب وہ خود ہمارے مسلک کا حصہ ہو گئیں تو جو مجھ پر اعتماد کریں گے وہ بغیر حوالہ اسے قبول فرمالیں گے اور جن کو اس تفسیری حاشیہ کی کسی بات پر اعتراض ہو گا تو ان کے اعتراض کا تیر براہ راست میرے سینے پر لگے گا اور وہ خود اکابرین سے نامزد کر کے بدگمان ہونے سے بچ جائیں گے"۔ (تفسیر اشرفی جلد اول ص ۶۲ گجرات اشاعت دوم نومبر ۲۰۰۸ء)

تفسیر اشرفی جلد اول: تفسیر اشرفی کی جلد اول الٓمّٓ، سیقول، اور تلک الرسول یعنی تین پاروں پر مشتمل ہے اس جلد میں سورۂ فاتحہ، سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کے کچھ آیتوں کی تفسیر ہے۔ قرآن کریم کے تین پاروں کی تفسیر علامہ مدنی کے والد ماجد محدث اعظم ہند سید محمد اشرفی الجیلانی کی تحریری کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ انہوں نے پورے قرآن کریم کی تفسیر کا منصوبہ بنایا تھا مگر زمانہ نے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی مہلت نہ دی اور ایک پارہ کی تفسیر قلم بند کے راہی ملک عدم ہو گئے۔ مثل مشہور ہے "ہر چہ پدر نتواند پسر تمام کند" لائق فرزند نے اس طرف توجہ فرمائی اور اسی منوال پر اس کام کو دس جلدوں میں پایۂ تکمیل تک پہنچا کر اپنے والد ماجد کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کیا۔ مقام افسوس ہے کہ ان تین پاروں میں بھی صرف پہلے پارے ہی کی تفسیر دستیاب ہو سکی جو تفسیر اشرفی کے جلد اول میں شامل ہے۔ حضور محدث اعظم ہند قدس سرہ ۶ / ذوالحجہ ۱۳۶۶ھ کو پورے قرآن مجید کا ترجمہ مکمل فرما چکے تھے اور پھر اس کے بعد تفسیر لکھنے کے لیے قلم اٹھایا آپ نے رجب المرجب ۱۳۸۱ھ تک تین پارے اور چوتھے پارے کے چند رکوع ہی کی تفسیر قلم بند فرمائی تھی کہ ۱۶/ رجب المرجب ۱۳۸۱ھ کو آپ کا وصال ہو گیا۔

محدث اعظم ہند حضرت مولانا سید محمد اشرفی الجیلانی نے ۲۸ سال کی جدوجہد کے بعد ترجمۂ قرآن "معارف القرآن" کے نام سے مکمل کیا اس کے بعد قرآن کریم کی تفسیر کی طرف راغب ہوئے۔ محدث اعظم ہند کا کیا ہوا ترجمۂ قرآن کیسا ہے؟ اس کے لیے امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں کا یہ قول کافی ہو گا۔ جب ان کے سامنے محدث اعظم ہند کا ترجمہ قرآن پہنچا تو آپ نے اس ترجمہ کے ابتدائی حصہ کو دیکھ کر برجستہ فرمایا کہ "شہزادے اردو میں قرآن لکھ رہے ہو؟" تفسیر اشرفی خواہ محدث اعظم ہند کی تحریر کردہ ہو یا علامہ مدنی کی تحریری کاوشوں کا ثمرہ ہو، انداز بیان دونوں کا یکساں ہے حالات وزمانہ کی رعایت کر کے یہ تفسیر لکھی گئی ہے نہ تو اس میں اتنی تفصیل ہے کہ پڑھتے پڑھتے قاری کا دل ودماغ بوجھل ہوئے اور اکتا کر اسے چھوڑ دے اور نہ ہی اتنی مختصر کہ قاری کو تشنگی کا احساس ہو، ایک آیت کی توضیح کے لیے صرف اتنی ہی عبارت استعمال کی ہے جو ارباب بصیرت کے علاوہ عام قاری کے لیے بھی کافی ہو سکے۔

اس جلد میں جس سورت کی تفسیر بیان کی گئی ہے ان میں درج ذیل مباحث پر بطور خاص گفتگو کی گئی ہے۔

۱۔ بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دلانے کا ذکر۔

۲۔ ہاروت و ماروت اور جادو سیکھنے سکھانے کا ذکر۔

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خانہ کعبہ کی تعمیر کرتے وقت مکہ کے تعلق سے دعا کرنے کا حکم۔

۴۔ جو اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے اسے مردہ نہ کہنے کا ذکر۔

۵۔ زمین میں سے حلال اور پاکیزہ چیزیں کھانے کا ذکر۔

۶۔ رسول کو ایک دوسرے پر بڑائی عطا فرمائے جانے کا ذکر۔

۷۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور ایک کے بدلے ۷۰۰ ملنے کا ذکر۔

۸۔ خرچ کر کے احسان نہ جتانے والوں کا ذکر۔

۹۔ اللہ کی دوستی کے حصول کے لیے حضور ﷺ کے پیچھے پیچھے چلنے کا حکم۔

۱۰۔ کتاب (الٰہی) کے الفاظ کو توڑ مروڑ کر بیان کرنے والوں کا ذکر۔

اس جلد کے دوسرے پارہ کی تکمیل ۱۰؍ شوال المکرم ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰؍ اکتوبر ۲۰۰۷ء اور تیسرے پارہ کی تفسیر نویسی سے فراغت ۱۰؍ جمادی الاول ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۶؍ مئی ۲۰۰۸ء کو ہوئی۔

تفسیر اشرفی کی اس جلد میں قرآن کریم کی عربی عبارت اور ذیل میں اس کے ترجمہ کے علاوہ متن تفسیر میں ۱۳۸۳۰۵۴ (تیرہ لاکھ تراسی ہزار چون) حروف، ۱۴۴۸۶۶ (ایک لاکھ چوالیس ہزار آٹھ سو چھیاسٹھ) الفاظ، ۱۰۲۸۹ (دس ہزار دو سو نواسی) سطور اور ۳۸۳۶ (تین ہزار آٹھ سو چھتیس) پیراگراف شامل ہیں۔

اس جلد کا اختتام سورۂ آل عمران کی اکیانویں آیت پر ہوتا ہے جس میں اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ جو کافر بغیر توبہ کیے مرجائے اور وہ قیامت میں توبہ کر کے حلقۂ مومنین میں شامل ہونا چاہے تو ہرگز اس کا توبہ قبول نہیں کیا جائے گا اگرچہ وہ اپنی رہائی کے لیے زمین بھر سونا ہی کیوں نہ دے۔ ان کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہوگا اور ان کا حامی و مددگار کوئی نہیں ہوگا

تفسیر اشرفی جلد دوم: یہ جلد چوتھا پارہ لن تنالوا، پانچواں پارہ والمحصنٰت، چھٹا پارہ لایحب اللہ پر مشتمل ہے جس میں سورہ آل عمران کی ۹۲ویں آیت سے لے کر سورۂ مائدہ کی ۸۲ویں آیت تک کا ذکر ہے یہ جلد کل ۴۲۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ چوتھے پارہ کی تفسیر نویسی کا آغاز ۲۹؍ جولائی ۲۰۰۸ء، پانچواں پارہ کی ابتدا ۱۶؍ اکتوبر ۲۰۰۸ء اور ٹھیک اس کے تین ماہ دس دن بعد چھٹے پارہ کی ابتدا ۱۷؍ جنوری ۲۰۰۹ء کو ہو جاتی ہے اور پورے ایک ماہ بعد ۱۷؍ فروری کو اس کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ اس طرح کل نو ماہ کی قلیل مدت میں تین پاروں کی تفسیر مکمل ہوگئی اس تفسیر میں اس بات کا بھی اہتمام کیا گیا ہے کہ ان پاروں میں جو مضامین بیان کیے گئے ہیں اس کی طرف اشارہ مفسر قرآن نے آغاز بحث ہی میں کر دیا ہے۔ جیسے

۱۔ زمین میں فساد پھیلانے والوں کی سزا کا ذکر۔

۲۔ حضرت مسیح کے پیغام کا ذکر جو انہوں نے اپنی قوم کو دیا۔

۳۔ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ وغیرہ کے حکم کا ذکر۔

۴۔ ایمان کے ساتھ اچھے عمل کرنے والوں کے انعام کا ذکر۔

۵۔ یتیم لڑکیوں اور کمزور اور یتیم بچوں کے ساتھ سلوک کا ذکر۔

۶۔ بہت ہی مجبوری کی حالت میں حرام میں سے کچھ کھالینے کا ذکر۔

۷۔ حضرت آدم کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کا ذکر۔

۸۔ سفر میں نماز کو قصر کر دینے کا بیان۔

۹۔ جب ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ان میں انصاف کرنے کا ذکر۔

۱۰۔ بنی اسرائیل کی بار بار عہد شکنی اور انہیں بار بار معاف کر دینے کا ذکر۔

اس جلد میں ایسے تقریباً ۱۶۷ مضامین ہیں جن کی وضاحت شروع کے صفحات میں کر دی گئی ہے۔ تاکہ اگر کسی قاری کو صرف اپنے مقصود ہی کو قرآن کی روشنی سمجھنا ہے تو اس تک قاری کی رسائی آسانی کے ساتھ ہو سکے۔ البتہ درمیان کتاب میں کوئی اس طرح کی سرخی نہیں لگائی گئی ہے اگر درمیان کتاب اس طرح کی سرخی لگائی جاتی تو کتاب کی ضخامت میں اضافہ ناگزیر تھا اسی سبب شاید مصنف نے اس سے اجتناب کیا ہے۔ البتہ سورہ کی وضاحت کر دی گئی تاکہ قاری کو پتا چل سکے کہ کون سا مضمون کس سورہ میں ہے۔ مفسر قرآن نے تفسیر کرتے وقت ہر جلد میں جتنے حروف، الفاظ اور پیراگراف کا سہارا لیا ہے اس کی بھی وضاحت کر دی ہے ناشر ایک دلچسپ سرخی کے تحت لکھتے ہیں۔

(جاری)..

☆☆☆

حضرت علامہ سید محمد اشرف اندرابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

صوفی محمد سبحان پانپوری

تاریخ گواہ ہے کہ اسلام کی صحیح تعلیمات کو لوگوں تک پُہنچانے میں علمائے ربانین اور صوفیائے کرام نے بڑا اہم اور قابل ذکر کردار ادا کیا ہے۔ انہوں نے ہر جگہ پیغام توحید و رسالت کا حق ایسی ایسی سرفروشیوں اور جاں نثاریوں سے ادا کیا ہے جن سے ہماری اسلامی تاریخ کے باب روشن اور درخشاں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو علم و عمل اور زہد و عشق کے صالح پیکر تھے۔ یہ ظاہری و باطنی اسرار و رموز کے نہ صرف واقف کار تھے بلکہ مرد میدان تھے۔ تزکیۂ نفس اور مجاہدۂ باطن کے ان غازیوں نے اپنے اندر جہاں کو فتح کرکے باہر کی دنیا کو بھی مسخر کر لیا تھا۔ وہ اپنے عقیدت مندوں اور روشن ضمیروں کے دلوں میں یُوں آباد تھے (اور آباد ہیں) کہ بادشاہانِ عالم اِن سے خوف کھاتے تھے لیکن یہ خود خدا سے خوف کھاتے تھے اور اسی میں اُن کی عظمت و بزرگی اور بلندی کا راز تھا۔ یہ حکمرانوں سے بے نیاز ہے اور حکمران ان کے نیاز مند رہے۔ اُنھوں نے رُشد و ہدایت اور تبلیغ و اشاعت کے لیے درس و تدریس کے سلسلے کو پروان چڑھایا، آگے بڑھایا اور اپنی زندگیاں اس عظیم مقصد کے لیے وقف کر دیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان علمائے ربانین، اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کی یادوں کے چراغ آج بھی روشن ہیں اور انشاءاللہ ہمیشہ روشن رہیں گے۔ کیونکہ اہل دنیا کے دل گویا رب تعالیٰ کی زمین ہیں۔ اور حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم رحمت کا سمندر، جس طرح سمندر سے بادل برس کر زمین کو سیراب کرتا ہے، ایسے ہی اس بحر رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت کے بادل علما، اولیا اور صوفیا کی شکل میں بن کر اس امت کے کھیت پر برستے ہیں۔ پھر جیسے زمین بعض بنجر یعنی ناقابل پیداوار ہوتی ہے اور بعض اچھی یعنی قابل پیداوار، ایسے ہی ہدایت یافتہ دل اور غیر ہدایت یافتہ دل۔ پھر جیسے کہ اچھی زمین میں سے بعض زعفران اور بعض مختلف قسم کے فصل پیدا ہوتی ہیں ایسے ہی مومنوں کے دل مختلف درجے رکھتے ہیں۔ پھر جیسے کہ ایک ہی سمندر سے بادل بنتا ہے مگر کوئی جنوب کی طرف سے آتی ہے کوئی شمال کی طرف سے آتی ہے کوئی مشرق کی طرف سے آتی ہے اور کوئی مغرب کی طرف سے آتی ہے اسی طرح اگرچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بحر رحمت ہے مگر اس سے جو رحمت کی گھٹا بنتی ہے وہ مختلف سمت کی جانب سے پھیل کر پورے عالم کو سیراب کرتے رہے۔

برصغیر بالخصوص ہندو پاک میں اسلام کے ابتدائی دور پر نظر ڈالی جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ یہی نفوسِ قدسیہ رُشد و ہدایت اور تبلیغ و اشاعت کی غرض سے ہندوستان میں تشریف لائے اور ملک کے گوشے گوشے میں اپنے خلفا کو پھیلا کر شجر اسلام کی آبیاری کی۔ حضرت سید ابوالحسن علی ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۴۳۶ھ میں غزنی سے تشریف لائے اور لاہور کو اپنا مُستقر بنایا۔ آپ کے ایک سو تیس ۱۳۰ سال بعد حضرت خواجہ غریب نواز معین اُلدین چشتی علیہ الرحمۃ تشریف لائے اور اجمیر کی سنگلاخ زمین کو اپنا مُستقر بنا کر تمام ہندوستان میں اپنے خلفا کو پھیلا دیا۔

حضرت خواجہ غریب نواز معین اُلدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تیس سال بعد حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وارد ملک کشمیر ہوئے اور کشمیر کی برف پوش، گُل پوش، چناروں اور رواں پانیوں کی جنت نشان وادی میں سری نگر تشریف لا کر اپنے سات سو رفقا و خلفا کے ذریعے کشمیر، لداخ، گلگت، افغانستان سے پرے اُزبکستان اور تاجکستان وغیرہ کے دور دراز علاقوں تک توحیدِ اسلام کی لطیف خوشبو پھیلا دی۔ ایک روایت کے مطابق آپ کے دست حق پرست پر سینتیس ہزار ہندو مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہی ہے کہ انھوں نے اہل کشمیر کو ایمان کی دولت سے مالا مال کر دیا اور ایک اخلاقی و روحانی انقلاب پیدا کیا۔ جو بڑے بڑے بادشاہ انجام نہ دے سکے۔ آپ نے کشمیر کو جہاں تعلیماتِ اسلامیہ کا مرکز بنایا۔ وہاں آپ کے دم قدم سے یہاں کی تہذیب و تمدن، ثقافت، کاری گری میں ایک حیرت انگیز انقلاب رونما ہوا۔ بقول حکیم الامت:

سید السادات سالارِ عجم دست او معمار تقدیر امم
خطہ راآں شاہ دریا آستین دادعلم وصنعت وتہذیب ودین
آفریدآں مرد ایران صغیر باہُنر ہاے غریب ودِل پذیر
(اقبال علیہ الرحمۃ)

اُن کی یہ دعوت حق اس لحاظ سے نہایت امتیازی حیثیت رکھتی ہے کہ وہ یہاں تنہاتشریف نہیں لائے۔ بلکہ اپنے ہم راہ داعیانِ حق کی ایک بہت بڑی تعداد ساتھ لے کرآئے۔ جنھوں نے اُن کی قیادت میں زندگی کے ایک ایک شعبہ میں مکمل اسلامی انقلاب کے لیے کام کیااور فیض کے چشمے جاری کیے۔ان ہی نفوس قدسیہ میں سے حضرت میر سید احمد اندرابی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ قابل ذکر ہے۔
(مختصر حالاتِ زندگی حضرت خواجہ سید علی ہمدانی علیہ الرحمۃ)

حضرت میر سید احمد اندرابی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ:

خاندان سادات کرام، گلشن نبوت کے پھولوں میں سے حضرت سیدمُسلم بن سید ابو العلی محمد رحمۃ اللہ علیہم حجاز مقدس سے ہجرت کرکے افغانستان کے پرگنہ اندراب میں آکرآباد ہوگئے اور اسی نسبت سے ان کی اولاد کو اندرابی کہتے ہیں۔ان ہی کی اولاد میں سے حضرت سید احمد اندرابی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اپنے ماموں جان حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے ہمراہ وادی کشمیر میں آٹھویں صدی ہجری میں وارِد ہوئے اور حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی قیادت میں قابلِ فخر تبلیغی کارنامے انجام دیکر دین اسلام کی اشاعت میں نمایاں اور اہم کردار ادا کیا۔اس خانوادے میں علمی، عملی اور روحانی دنیا کے بلند قامت عارفین باللہ پیدا ہوئے جن میں خاصکر مادر زاد ولی حضرت بحر المعانی میر سید محمد میرک اندرابی اویسی قادری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (ملارٹہ سرینگر) قابل ذکر ہے۔ان کے تین فرزند تھے۔حضرت میر سید محمد اندرابی، حضرت میر سید یوسف اندرابی اور حضرت میر سید احمد قاسم اندرابی۔

حضرت میر سید یوسف اندرابی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے فرزندارجمند میر سید عثمان اندرابی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سری نگرشہر سے گاؤں کی طرف منتقل ہوگئے اور موجودہ ضلع پلوامہ کے ایک ملحق گاؤں زڑورہ ہستی کھوڈ کے نام سے ایک قریہ آباد کیا، حضرت میر سید عثمان اندرابی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی اولاد میں چھٹے نمبر پر حضرت میر سید جمال الدین عرف جمن شاہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ہیں، یہی بزرگ سکھوں کے دورِ حکومت میں بسلسلۂ تبلیغ اسلام پنجاب گئے،بے حد مشکلات کا مقابلہ کرکے تبلیغ اسلام کاعظیم الشان کارنامہ انجام دیااور بے شمار غیر مسلم ان کے دستِ حق پرست پر تائب ہوکر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

حضرت سید جمن شاہ کے تین فرزند تھے، حضرت سید محمد اندرابی، حضرت سیدحسین اندرابی اورحضرت سید یوسف اندرابی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ سب سے بڑے یعنی سید محمد مرحوم و مغفور کے فرزند میر سید احمد شاہ اندرابی علیہ الرحمۃ ہیں جو ربیع الثانی ۱۲۸۴ھ میں تولد ہوئے۔ ابھی تقریبًا شیر خوار ہی تھے کہ والد مرحوم کا سایہ سر سے اُٹھ گیا،ان کی وفات کے بعد جد مکرم حضرت سید جمن شاہ اور والدہ محترمہ نے تربیت کی۔ابھی عمر گرامی کی دس بہاریں بھی پوری نہیں کی تھیں کہ دادا مرحوم بھی واصل بحق ہوگئے البتہ انہوں نے سات سال کی عمر میں ہی نہ صرف ان کو سلسلہ قادریہ میں داخل کیا بلکہ اپنا جانشین اور خلیفہ بھی نامزد کردیا تھا۔علوم شرعیہ کی تکمیل جد محترم کے مقرر فرمودہ استاد فاضل اجل مفتی محمد شاہ صاحب راجپوری سے کی۔سن شعور کو پہنچنے کے بعد مراحل سلوک طے کرنے کے لیے سرینگر کے شیخ وقت،قطب ربانی حضرت میر سید یٰسین اندرابی ملارٹہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت ہوئے اور انہی سے مجاز ہوکر پنجاب اپنے جد محترم کے مشن کی آبیاری کے لیے روانہ ہوئے اور تقریبًا ساٹھ برس تک بندگانِ الٰہی کی رہبری فرماتے رہے تا آنکہ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ (بمطابق جنوری ۱۹۵۰) کو رات ۹ بجے گوجرانوالہ شہر میں واصل بحق ہوگئے اگلے روز یعنی سوموار ۲۶ ربیع الاول کو،ان کی وصیت کے مطابق، موضع اپل جاگیر تحصیل وضلع گوجرنوالہ میں اپنی دو پھوپھیوں کے پہلو میں سپرد خاک کیے گئے۔آپ کا مزار مبارک عقیدت مندوں کی زیارت گاہ ہے اور ہر سال انگریزی تاریخ ۹ اپریل کو ان کا عرس مبارک انعقاد پذیر ہوتا ہے۔ رات بھر علمائے کرام کے مواعظ،نعت خواں حضرات کے نعوت و مناقب، ذکر اللہ اور صلوٰۃ وسلام کے علاوہ ختم قادریہ غوثیہ ہوتا ہے اور صبح کو بعد نماز فجر لنگر تقسیم کیا جاتا ہے۔(ماخوذ از مختصر تعارف حضرت میر سید احمد شاہ اندرابی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ از غلام مصطفی مغل خادم سلسلہ عالیہ قادریہ اندرابیہ گوجرانوالہ پاکستان)

اپنے آبائی سلسلہ عالیہ قادریہ کے علاوہ دیگر سلاسل طریقت، نقشبندیہ، چشتیہ، کبرویہ اور سہروردیہ کے مجاز بھی تھے۔قرآن پاک عمومًا تین روز میں ختم کرتے تھے اس کے علاوہ دلائل الخیرات بلاناغہ اور اوراد فتحیہ بعد نماز فجر پڑھتے تھے۔ان ہی اسلاف کی اولاد میں حضرت مولانا سید محمد اشرف

اندرابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مشہور و معروف دینی علمی و روحانی شخصیت تھے۔

حضرت علامہ سید محمد اشرف اندرابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

حضرت میر سید احمد شاہ اندرابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فرزندار جمند میر سید محمد امین اندرابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اولاد میں سے فرزند اکبر حضرت علامہ سید محمد اشرف اندرابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ولادت پلوامہ کے ایک ملحقہ گاؤں جڈورہ میں ۶ ستمبر ۱۹۲۶ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر ہی حاصل کی۔ ایف اے پاس کرنے کے بعد حضرت کی ذاتی خواہش ایل ایل بی کی تعلیم حاصل کر کے وکالت کا پیشہ اختیار کرنا تھا لیکن داداجان (حضرت سید احمد اندرابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کو جب اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے اپنے پوتے کو فرمایا:

”دین اسلام کی اشاعت و خدمت کرنا ہمارا خاندانی فریضہ ہے جو ہم شروع سے لیکر آج تک کرتے آئے ہیں لہٰذا میری خواہش ہے کہ آپ ایل ایل بی کے بجائے دینی تعلیم حاصل کر کے اس خاندانی وراثت کو سنبھالیں باقی رہا آپ کے روزگا کا مسئلہ اس کا بھی انتظام ہو جائے گا۔ حضرت علامہ سید محمد اشرف اندرابی علیہ الرحمۃ نے دادا جان کی اس خواہش کا احترام کرتے ہوئے اپنا ارادہ ترک کیا اور دینی تعلیم حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ داداجان کی خواہش کے مطابق ہی دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے گجراں والہ (پاکستان) کے ایک دینی مدرسہ (جامعہ عربیہ گجرانوالہ) میں داخلہ لیا۔ لیکن اُس وقت مدرسے میں طالب علموں کے لیے کھانے پینے کا کوئی انتظام نہ تھا حضرت کے ارشاد کے مطابق مدرسے کے لڑکوں کو محلہ والوں کے گھروں میں ایک ایک یا دو دو لڑکے کھانے کے لیے جایا کرتے تھے۔ لیکن حضرت کا گھر چونکہ مدرسے کے نزدیک ہی تھا اس لیے وہ ہمیشہ اپنے گھر پر ہی کھانا کھایا کرتے تھے۔

حضرت علامہ اندرابی علیہ الرحمۃ نے بعد میں دار العلوم دیوبند سے بھی فضیلت کر کے فراغت حاصل کی۔ اور مولانا حسین احمد مدنی سے حدیث کی تعلیم لی۔ فارغ ہونے کے بعد مرحوم اپنے داداجان کی صحبت میں رہنے کے لیے دوبارہ گجرانوالہ پاکستان گئے اور اس دوران تقسیم ہند ہوا اور پاکستان کا قیام عمل میں آیا اور مولانا اندرابی وہیں محکمہ بحالیات میں آفسر تعینات ہوئے۔ طالب علمی کے زمانے میں کئی واقعات پیش آئے جن کا ذکر انشا اللہ ان کی سوانح میں شایع کیا جائیگا۔

تقسیم ہند سے پہلے اور بعد میں بھی مولانا صاحب مسلم کانفرنس کے سرگرم کارکن اور زبردست حامی رہے تقسیم ہند کے بعد جب داداجان حضرت میر سید احمد شاہ اندرابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ (جنوری ۱۹۵۰) کو گوجرانوالہ شہر میں واصل بحق ہوگئے تو ۱۹۵۱ء میں اہل خانہ کو اپنے ساتھ پاکستان لے جانے کے لیے کشمیر آئے لیکن حکومت وقت نے انھیں اس کی اجازت نہیں دی۔ اور یہیں مقیم ہوئے۔ ۱۹۵۳ء میں محکمہ تعلیم میں بحیثیت استاد آپ کا تقرر ہوا۔ اور ویری ناگ میں پوسٹنگ ہوئی۔ زندگی کا سنہری دور یعنی نوجوانی کے تقریباً ۱۹ سال کم و بیش ضلع اسلام آباد جموں و کشمیر کے مشہور جگہ ”ویری ناگ“ میں گزارے اور وہاں خطابت و اشاعت دین کے علاوہ اوقاف اسلامیہ ویریناگ اور جامع مسجد شریف کی بنیاد بھی ڈالی۔ ان ہی ایام میں اندرابی صاحب نے انجمن تبلیغ الاسلام میں شمولیت اختیار کی اور آپ انجمن تبلیغ الاسلام کے صوبائی صدر کی حیثیت سے مولانا سید محمد قاسم شاہ بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دست راست بھی رہے۔

مولانا سید محمد قاسم شاہ بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے زندگی کے آخری ایام میں یہ بات ظاہر فرما چکے ہیں کہ ”اب بزرگ اسلاف ایک ایک کر کے اس فانی دنیا سے کوچ کر کے اللہ کے حضور جا چکے ہیں، چار سو نظر دوڑا کر واپس لوٹتی ہے، مولانا سید محمد اشرف اندرابی کے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آتا۔

ویری ناگ سے تبادلہ کے بعد آپ پلوامہ آگئے اور اسکول کی ڈیوٹی کے ساتھ ساتھ جامع مسجد پلوامہ میں لگ بھگ ایک دہائی سے زیادہ اور بعد میں خانقاہ حضرت میر صاحب وشہ بگ پلوامہ میں بھی لگ بھگ ۳۰ تیس سال تک خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

۱۹۸۲ء میں ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد بھی دینی خدمات کو جاری رکھتے ہوئے جموں و کشمیر کے اکناف و اطراف میں اکثر دینی اجتماعات میں شرکت کرتے رہے۔ اس دوران ۱۹۹۰ء کے آس پاس آپ نے درسو پلوامہ میں ”دارالعلوم نعمانیہ“ کا سنگ بنیاد رکھا جو ایک منزلہ مکمل ہونے کے بعد چند دین دشمن شرپسندوں نے منہدم کیا جس سے حضرت مولانا اندرابی صاحب مرحوم کو سخت صدمہ ہوا۔ بعض حلقوں کی جانب سے انتقامی کارروائی کرنے کی پیش کش کی گئی لیکن حضرت مولانا اندرابی صاحب نے ایسا نہ کرنے کا مشورہ دیا اور فرمایا کہ ” میں نہیں چاہتا کہ مسلمانوں میں تفرقہ یا انتشار پیدا ہو بلکہ حضرت مولانا نے اس وقت یہ تاریخی الفاظ اپنی زبان پر لائے۔ ”ہم یہ زہر کا پیالہ صبر و استقامت کے ساتھ نوش کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کرتے ہیں اور خوشگوار نتائج کا انتظار کریں گے“ اللہ تعالیٰ نے اس مخلصانہ دعا کی لاج رکھ کر اس دعا کا یہی خوشگوار نتیجہ نکلا کہ قصبہ پانپور کی زعفران زار سرزمین میں ۱۹۹۳ء میں دارالعلوم شاہ

ہمدان کا قیامِ عمل میں آیا جو بعد میں وسعت پذیر ہوکر ایک ٹرسٹ (شاہ ہمدان میموریل ٹرسٹ) کی صورت اختیار کر گیا۔ حضرت مولانا اندرابی صاحب نے نہ صرف اس ٹرسٹ کی سربراہی فرمائی بلکہ تادمِ آخر تک اس کی تعمیر و ترقی کے لیے کوشاں رہے۔ یہ ٹرسٹ وادی کشمیر کی تاریخ میں علم وآگہی کا ایک نیا باب رقم کرنے میں کوشاں ہے۔ شاہ ہمدان میموریل ٹرسٹ کی جانب سے جو ماہنامہ "المصباح" پچھلے کئی سالوں سے شائع ہو رہا ہے اس کے مدیر اعلیٰ کے فرائض بھی آپ ہی انجام دیتے رہے۔ آپ اپنی زندگی میں متعدّد رسائل کے مدیر اعلیٰ رہے ہیں جن میں "ماہنامہ التبلیغ" "ماہنامہ ختم نبوت" اور "ماہنامہ المصباح" قابل ذکر ہیں۔ "ماہنامہ المصباح" جنوری ۲۰۰۴ء سے تا ایں دم مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ اور ان رسائل میں آپ کے قلم سے نکلے ہوئے شاہکار ادارے تاریخ میں ایک منفرد مقام کے حامل ہیں۔ ان اداریوں میں آپ کا دین اسلام اور مسلمانوں زبوں حالی اور حالت زار کے تعلق سے سوز دروں کی صدائیں محسوس ہوتی ہیں اور ساتھ ہی امت مرحومہ کی خیر خواہی کے سلسلے میں آپ کی رب تعالیٰ کے حضور رقت آمیز دعائیں، درسِ اتحاد و اتفاق کی درد بھری صدائیں قارئین کے قلوب و اذہان میں طلاطم پیدا کرنے کا اثر بھی رکھتی ہیں۔ ان اداریوں میں سے کچھ اداریوں کو کتابی شکل دیکر "مقالات اندرابی" کے نام سے شاہ ہمدان میموریل ٹرسٹ نے شائع کیا ہے۔ جو دینی، علمی و سیاسی حلقوں میں سراہی گئی۔ اس کے علاوہ حضرت مولا اندرابی صاحب نے پلوامہ کے نزدیک ایک گاؤں "مونگہامہ" میں بھی "مدرسہ غوثیہ ہمدانیہ" اور "مدرستہ البنات" قائم کیے جن کے بانی و مہتمم اعلیٰ ہونے کا شرف بھی آپ ہی کی ذات گرامی کو حاصل ہے۔ مدرستہ البنات میں اس وقت بھی تقریباً ۵۰ سے زائد بچیاں زیر تعلیم ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کے ہاتھوں کثیر اداروں، مدارس و مساجد کی سنگ بنیاد انجام پائی۔

درگاہ عالیہ حضرت شیخ سید عبد القادر جیلانی خانیار میں اکثر حاضری دیا کرتے تھے خاص طور پر عرس غوث الاعظم کی شب میں اور ماہ رمضان المبارک کے تیسرے جمعۃ المبارک پر خطاب فرماتے تھے۔ درگاہ شریف کے سجادہ نشین حضرات اور امام و خطیب ان کی بہت عظمت و احترام کرتے مرحوم علامہ اندرابی صاحب اکثر درگاہ شریف کے سجادہ نشین مرحوم میر صاحب (المعروف میر کلو) کا ذکر خیر کرتے۔ راقم کو بھی کئی دفعہ ان اجتماعات میں شرکت کرنے کا موقعہ نصیب ہوا۔

کشمیر میں جن بزرگ ہستیوں سے شرف ملاقات اور جن علمائے کرام سے تعلقات رہے ان میں خاص کر حضرت سید میرک شاہ کاشانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت میر سید عبد اللہ منطقی قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، میر سید حفیظ اللہ اندرابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، فقیر دین محمد شالیمار، مولانا سید علاؤالدین بخاری، مولانا سید قاسم شاہ بخاری، قاضی غلام محمد، امام غلام رسول، سید غلام احمد کاملی، مولانا محمد یٰسین ہمدانی، ڈاکٹر قاضی نثار احمد اور مولانا محمد فاروق قابل ذکر ہیں

آپ بحیثیت سجادہ نشین درگاہ قادریہ اندرابیہ (عارف باللہ سید احمد شاہ اندرابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ایل جاگیر گوجرانوالہ پاکستان اکثر تشریف لے جاتے تھے اور وہاں اپنے دادا مرشد بزرگوار کی زیارت پر حاضر ہوتے اور سجادہ نشینی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ نے گوجرانوالہ میں اپنے مرشد گرامی کے مزار مبارک کے متّصل ایک مدرسہ اور عالی الشان جامع مسجد شریف تعمیر فرمائی۔

داتا دربار لاہور میں حاضری:

جب بھی آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پاکستان جاتے تو وہاں حضرت داتا گنج بخش کے آستان عالیہ پر اکثر حاضری دیتے۔ دورانِ حاضری کئی واقعات پیش آئے۔ ایک واقعہ جو مرحوم اندرابی صاحب نے فرمایا وہ یوں ہے۔

" داتا دربار لاہور میں جمعرات کو رات بھر اکثر شب خوانی ہوتی ہے۔ جس میں ہزاروں بلکہ بعض اوقات اس سے بھی زیادہ لوگ دور دراز علاقہ جات سے شرکت کرنے کے لیے آتے ہیں۔ میں بھی کبھی کبھی اس شب میں حاضری دیتا رہا لیکن ایک شب واقعہ یوں ہوا کہ لوگوں کا بہت جم غفیر تھا وہاں کے سجادہ نشین پیر صاحب اُوپر کی طرف بیٹھا تھا مجھے اُس کے سامنے مگر تھوڑی دوری پر ایک سائیڈ میں بیٹھنے کی جگہ ملی بعد نماز عشاذکر واذکار کی محفل چل رہی تھی درمیان شب مجھے چائے کی طلب آگئی مگر اتنے جم غفیر میں کہاں چائے ملتی اور کہاں سے لاتے۔ لیکن تھوڑا وقت گزرنے کے بعد ایک شخص تھرماس میں چائے لے کر آیا اور وہ سجادہ نشین پیر کی طرف بڑھنے لگا پیر صاحب نے اس کو اشارہ کیا کہ چائے وہاں بیٹھے آدمی کو دے دو لیکن اس کو سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس آدمی کو دیدوں وہ ایک ایک سر کی طرف اشارہ کرتے کرتے جب میری طرف اشارہ کیا تو پیر صاحب نے ہاں کی اس نے مجھے چائے دی میں نے چائے پی اور میں نے حضرت داتا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے عرض کی حضرت آپ اپنے مہمانوں کا اتنا خیال رکھتے ہیں۔"

آپ کا مقام نہ صرف وادی کشمیر کے علما کے درمیان امتیازی حیثیت کا حامل رہا بلکہ برصغیر بالخصوص پاکستان کے جید علمائے کرام کے ہاں آپ کا مرتبہ کافی اہمیت کا حامل تھا۔ بلکہ جب بھی آپ پاکستان تشریف لے

جاتے تو علماے کرام اپنی کتب و رسائل پر آپ کے قلم سے تقدیمی کلمات لکھوانے کے خواں نظر آتے۔ ہند و پاک کے جن علماے کرام اور مشائخ سے ملاقات یا رابطہ رہا ان میں حضرت مولانا شاہ احمد نورانی، حضرت پیر نصیر الدین گولڑوی، حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امر تسری، حضرت مولانا محمد صادق ابو داود، حضرت مولانا عبدالحکیم شرف قادری، حضرت مولانا ریاض حسین شاہ، ڈاکٹر راجا رشید محمود، حضرت مفتی عبد المنان، صوفی اقبال احمد نوری، حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی، حضرت مولانا لیبین اختر مصباحی، پروفسر ڈاکٹر یحیٰ انجم، ڈاکٹر ابو بکر شافعی سربراہ اعلیٰ مرکز الثقافۃ السنیہ کریلا، حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ و مدیر اعلیٰ ماہ نامہ اشرفیہ مبارکپور، حضرت مولانا خوشتر نورانی ایڈیٹر ماہ نامہ جام نور دہلی قابل ذکر ہیں۔

حضرت علامہ اندرابی کی سیاسی بصیرت اور بالغ نظری کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ عالم اسلام کی المناک صورت حال اور وسیع تر تباہی و بربادی بالخصوص بر صغیر ہند و پاک میں ملت اسلامیہ کی کسمپرسی، سماجی ابتری، تعلیمی پسماندگی اور فروعی اختلافات کی وجہ سے آپ ہمیشہ اداس اور بے چین رہتے یہی وجہ ہے کہ آپ نے ایسے موضوعات پر ہمیشہ کھل کر بے لاگ تبصرے کرنے سے گریز نہیں کیا۔ مسلم ممالک کے حکمرانوں کی بے حسی اور امریکہ اور اسرائیل کی پالسیوں کی مدلل اور پر اثر انداز میں مذمت کرتے رہے۔ مسلمانوں کی مغرب پرستی کے تباہ کن اثرات کے بارے میں ہمیشہ نہ صرف خبر دار کرتے رہے بلکہ اس مہلک بیماری اور وبا کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے پوری طاقت سے مقابلہ کرنے کی ترغیب بھی دیتے رہے۔ جو ان کے قلم کی خوبیوں سے صاف طور عیاں ہیں۔ خاص طور سے مذہبی امور میں کسی بھی غلطی یا حکومت وقت کی طرف سے کسی بھی اسلام مخالف قانون یا پالیسی کو نظر انداز نہیں کرتے اور بے خوف اور دیانت داری کے ساتھ اس کی نشان دہی کرنا اپنا فریضہ مان کر اپنی عالمانہ راے کا اظہار بر ملا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے ندوۃ العلما لکھنؤ کے مولانا ابوالحسن علی ندوی کا علمی محاکمہ فرما کر انھیں لاجواب کر دیا۔ اسی طرح آپ نے دیوبند کے مولانا منظور نعمانی کی علمی گرفت فرما کر انھیں ساکت کر دیا۔ آپ نے " وحید الدین خان کا سائنٹفک اسلام یا ماڈرن ارتداد" کے نام سے ایک کتابچہ تحریر فرما کر وحید الدین خان کے افکار کی پوری قلعی کھول کر عالم اسلام کو اس کے ماڈرن ارتداد کے عزائم سے آگاہ فرما کر بنیادی کارنامہ انجام دیا۔ آپ نے مرزائیت کے خدوخال کو خوب واضح فرما کر ختم نبوت کے موضوع پر رسالے کے علاوہ متعدّد مقالے و مضامین شائع کیے۔ آپ نے تحریری و تقریری طور عیسائیوں کی سرگرمیوں کو طشت از بام کیا اور ان کے گمراہ کن دلائل کا پول کھول دیا۔ بدنام زمانہ گستاخ رسول، سلمان رشدی، تسلیمہ نسرین اور یکساں سیول کوڈ جیسے باطل نظریات کو بھی بے نقاب کر دیا۔ اسی طرح بابری مسجد پر لسانی اور تحریری طور بھی اپنا مجاہدانہ کردار نباتے رہے اس پر کئی مضامین بھی لکھ چکے جن میں " بابری مسجد بھارتی جمہوریت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ "علاوہ ازیں کشمیر کی حالت زار پر مولانا اندرابی صاحب نے نہ صرف تقریری طور بیانات فرمائے بلکہ تحریری طور بھی کئی مقالے اور مضامین بھی شائع ہوئے۔ جن میں "کشمیر جنوبی ایشیا کا فلسطین"۔ "صداے درد"۔ "ہند پاک تعلقات اور مسئلہ کشمیر"۔ " امرناتھ شرئن بورڈ کا قضیہ اسباب و نتائج"۔ "آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟" قابل ذکر ہیں۔

قائد اہل سنت علامہ اندرابی رحمۃ اللہ علیہ کو آقاے نامدار تاجدار مدینہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عشق و محبت ان کی تقاریر و تحریر بالخصوص نعتیہ کلام سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ دوران تقریر آقاے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر جمیل بیان کرتے ہوئے اکثر آنکھوں سے اشک بار ہوا کرتے تھے۔ علامہ اندرابی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف خود عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار تھے بلکہ عمر بھر عوام الناس کو بھی اس کی لذت سے آشنا فرماتے رہے۔

مسلم اوقاف ٹرسٹ کی بہبودی کے لیے جدوجہد:

مسلم اوقاف ٹرسٹ کے اصل مقاصد کو بروے کار لانے کے لیے اکثر خانقاہ غوثیہ، گیلانیہ خانیار شریف میں اور دیگر اجتماعات سے خطاب کے دوران بھی ارباب اقتدار کو تنبیہ کرتے رہے ۲۸ جون ۲۰۰۳ء بروز جمعۃ المبارک نماز جمعہ سے پہلے اسی خانقاہ عالیہ کے عظیم اجتماع (جس میں حاضرین کی تعداد تقریباً ایک لاکھ نفوس پر مشتمل تھی) اپنی ڈیڑھ گھنٹے کی تقریر میں اسی مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی اس کے علاوہ وادی کے مختلف اجتماعات میں بھی اس کا ذکر دہراتے رہے۔ بالآخر کافی جدوجہد کرنے کے بعد مسلم اوقاف ٹرسٹ کے اُس وقت کے وائس چیرمین نے قائد اہل سنت سے رابطہ قائم کر کے یہ جاننا چاہا کہ آپ کس طرح کی اصلاح چاہتے ہیں۔ بحر حال قائد اہل سنت کے ساتھ ایک میٹنگ منعقد کی گئی جس میں یہ طے ہوا کہ ایک کثیر المقاصد اسلامی یونیورسٹی قائم کی جائے جس میں دور حاضر کے تمام علوم و فنون، سائنس، ٹیکنالوجی، وغیرہ کی

تعلیم وتربیت کے پہلو بہ پہلو ایک شعبہ دینی عربی تعلیم وتدریس کا بھی ہونا چاہیے اور یونیورسٹی کا کردار اسلامی ہونا چاہیے۔ یونیورسٹی کا خاکہ تیار کرنے کے لیے ہمدرد یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب ڈاکٹر علاؤالدین اور ایک ماہر تعلیم استاد جناب ڈاکٹر یحییٰ انجم اور معروف دینی اسکالر مولانا لیٰسین اختر مصباحی کو دعوت دی۔ ماہ جون ۲۰۰۳ء کے دوسرے ہفتے میں وہ یہاں تشریف لائے۔ یہاں ان کے ساتھ سابق وائس چانسلر کشمیر یونیورسٹی پروفسر محمد لیٰسین قادری بھی شامل ہوئے۔ تین روز تک یونیورسٹی کے قیام کے مختلف پہلوؤں پر غور و خوص کر کے ایک خاکہ تیار کیا۔ دوسری بار ماہ ستمبر میں بھی آئے تھے اور یونیورسٹی کے لیے گاندربل میں زمین حاصل کی گئی۔ اور اس پر کام بھی شروع ہو چکا تھا لیکن اُس وقت کی ریاستی حکومت (مفتی سرکار) نے نومبر ۲۰۰۳ء میں مسلم اوقاف ٹرسٹ جموں کشمیر پر شب خون مارا اور ٹرسٹ کے دفاتر اور مختلف سب اوقاف پر اچانک چھاپہ مار کر ان کے ریکارڈ اور اثاثوں پر قبضہ کر کے مسلم اوقاف ٹرسٹ کے اسلامی کردار کو ختم کر کے اسے بیک جنبش قلم سیکولرزم کر کے وقف بورڈ کا نام دیا گیا اور اعلان کیا گیا کہ اس کی آمدنی شفاخانوں کی صفائی اور سڑکوں کی توسیع و مرمت میں صرف کی جائے گی۔ اور یونیورسٹی کا مجوزہ منصوبہ منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔ اس سلسلے میں پہلے ہی گورنر سے ایک آرڈیننس جاری کرایا گیا اور اس کے بعد اسمبلی سے بھی ایک بل پاس کرایا گیا۔ اس طرح خزانہ عامرہ کے مالی بحران کو اوقاف کی آمدنی سے حل کرنے کا اقدام کیا گیا۔ جو سراسر مداخلت فی الدین ہے۔ اس غیر آئینی اور غاصبانہ کاروائی کے خلاف جو مجاہدانہ رول قائد اہل سنت نے ادا کیا وہ قابل تقلید ہے۔ قائد اہل سنت نے اس غیر آئینی اور غاصبانہ کاروائی کے خلاف نہ صرف تقاریر فرمائی بلکہ اخبارات اور متعدّد جرائد میں بھی تحریری طور مخالفت کر کے اس کی اصل تاریخ اور شرعی نظریہ پیش کیا۔ قائد اہل سنت نے کشمیر میں اس مسئلہ پر مختلف دینی تنظیموں، انجمنوں اور عوام کی خاموشی اور بے غیرتی دیکھ کر یہ بھی پیشین گوئی فرمائی کہ آئندہ کسی بھی مسلک کی کوئی بھی مسجد، درسگاہ اور اوقاف حکومت کی مداخلت سے محفوظ نہیں رہے گی۔ اب تک ہم ایک بابری مسجد کا ماتم کرنے سے فارغ نہیں ہوئے ہیں آئندہ (خدانخواستہ) ہمیں بے شمار مساجد ومقابر کی بربادی کا روزِ بد دیکھنا پڑے گا۔ قائد اہل سنت نے اخبارات میں اس موضوع پر جو بیان دیے ہیں ان میں ”مسلم اوقاف ٹرسٹ یا وقف بورڈ ایک لمحہ فکریہ“ جو سرینگر گریٹر کشمیر میں ۱۵/ دسمبر ۲۰۰۳ء۔ کشمیر امیج میں ۱۷/ دسمبر ۲۰۰۳ء۔ روز نامہ الصفا میں ۱۳/ دسمبر ۲۰۰۳ء۔ روز نامہ سرینگر ٹائمز میں ۱۴/ دسمبر ۲۰۰۳ء۔ اور روز نامہ تسکین جموں میں ۱۴/ دسمبر ۲۰۰۳ء میں شائع ہوئے ہیں۔ ہفت روزہ چٹان ۱۵/ دسمبر ۲۱/ دسمبر ۲۰۰۳ء میں ”مسلم اوقاف ٹرسٹ سرکاری نہیں ایک ملی ادارہ ہے“ کے نام سے ایک بیان شائع ہوا ہے۔ جو سرینگر ٹائمز نے ۲۳ دسمبر ۲۰۰۳ء کے تاریخ میں شائع کیا ہے۔ علاوہ ازیں کشمیر میں شائع ہونے والے اخبارات کے ایڈیٹر صاحبان کے نام ایک دردمندانہ خط لکھا۔ اس کے آخری الفاظ یہ ہے۔

”مدیر محترم! اگر یہ صحیح ہے کہ اخبار قوم کا ترجمان اور صحافی قوم کی زبان ہوتا ہے تو کیا آپ پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا کہ آپ اپنے قارئین کی غالب اکثریت کے جذبات واحساسات کی ترجمانی کریں اور بحیثیت مسلمان ملتِ اسلامیہ کے خالصتاً دینی معاملات میں حکومت کی غیر آئینی، غیر جمہوری اور جابرانہ مداخلت کے خلاف آواز بلند کریں؟“ لیکن کسی اخبار نے یہ خط شائع نہیں کیا سوائے روز نامہ سرینگر نیوز کے سرینگر نیوز نے یہ خط ۲۳ دسمبر ۲۰۰۳ء کے شمارے میں شائع کیا ہے جس کے لیے ہم ان کے بہت ہی مشکور ہیں۔

وزیر اعلیٰ مفتی محمد سید نے مسلم اوقاف ٹرسٹ کو وقف بورڈ میں تبدیل کرنے کے بعد چیرمین کی کرسی پر قبضہ کر کے خود چیرمین بن گئے اور وائس چیرمین کی کرسی کے لیے اپنے من پسند آدمی نعیم اختر اندرابی کو مقرر کیا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد اسلامک یونیورسٹی کا کا اعلان کر دیا جس کے لیے اونتی پورہ کے ایک چھوٹی پہاڑی پر زمین حاصل کر کے اس پر کام بھی شروع کیا۔ آج کی تاریخ میں وہاں کچھ بلڈنگیں بنی ہوئی ہیں اور چند شعبے کام بھی کر رہے ہیں۔

مفتی صاحب کے بعد جب غلام نبی آزاد نے وزیر اعلیٰ کی کرسی سنبھالی تو اس کی دور حکومت میں وقف بورڈ کے زعمانے قائد اہل سنت کو بورڈ آف ٹرسٹیز میں شامل ہونے کے لیے دعوت دی لیکن قائد اہل سنت فرمایا کہ ”میں بورڈ آف ٹرسٹیز کو اس کی بہبودی کے لیے تجاویز لکھ کر دے سکتا ہوں لیکن اس کا ممبر نہیں بنوں گا لیکن اپنے رفقائے کرام سے صلح مشورہ کرنے کے بعد ان کے کافی اصرار پر راضی ہوگئے اور یہ عہدہ قبول کیا۔ اس کے آنے والی بجٹ میٹنگ کے لیے وقف بورڈ کی جانب سے ایک بجٹ فائل قائد اہل سنت کو مطالعہ کے لیے شاہ ہمدان میموریل ٹرسٹ کے دفتر پر بھیجی گئی اور یہ فائل اُن تک پہنچا دی گئی۔ چند روز بعد ہی وقف

بورڈ کی ایک میٹنگ SKICC سرینگر کے حال میں اس وقت کے چیف منسٹر غلام نبی آزاد کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ راقم نے بھی اس میٹنگ میں شرکت کی۔ دوران میٹنگ وقف بورڈ کے متعلق کئی مسائل زیر بحث لائے گئے۔ میٹنگ میں جب غلام نبی آزاد نے ایک آفسر سے خانقاہ عالیہ ترال سے متعلق اعداد و شمار مانگے تو اس نے کہا کہ آج تک تقریباً بارہ کروڑ روپیہ خرچ ہوئے ہیں اور مزید لگ بھگ ساڑھے چار کروڑ روپیہ در کار ہے اس پر غلام نبی آزاد نے کہا کہ ”آپ تاج محل بنارہے ہو یا کہ خانقاہ“ یہ سن کر اس آفسر نے سائڈ میں فون پر سامنے ماتحت آفسر سے اعداد و شمار معلوم کر کے دوبارہ بتایا کہ آج تک لگ بھگ آٹھ کروڑ روپیہ خرچ ہوئے ہیں اور مزید ساڑھے چار کروڑ روپیہ در کار ہے۔ چرار شریف کے متعلق آزاد صاحب کے اور ایک سوال کے جواب میں اس نے کہا کہ وہاں تقریباً بیس غسل خانے تیار ہوئے ہیں اس بات پر قائد اہل سنت نے آزاد صاحب سے فرما کہ یہ بالکل غلط ہے کیوں کہ ایک ہی ہفتہ پہلے ہم وہاں اجتماعی شب خوانی کے لیے گئے تھے ہم نے وہاں ایک بھی غسل خانہ تیار نہیں دیکھا۔ آپ خود وہاں جاکر دیکھ سکتے ہیں۔ بحر حال میٹنگ اختتام پذیر ہونے کے بعد سب اپنی اپنی جگہ سے اُٹھنے لگے اور آزاد صاحب قائد اہل سنت کے پاس آئے اور طعام کی دعوت دے کر اجازت طلب کی کیوں کہ آزاد صاحب کو فوراً گاندر بل جانا تھا۔ اجازت لیتے وقت بھی قائد اہل سنت نے آزاد صاحب سے یہ فرمایا کہ یہ لوگ آپ کو جھوٹ بول کر دھوکہ دیتے ہیں۔ اس کے بعد قائد اہل سنت نے مجھ سے فرمایا کہ ہم طعام نہیں کریں گے کیوں کہ یہ ہمارے لیے ٹھیک نہیں ہے۔ اور ہم وہاں سے نکلے اور گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ اور آیندہ میٹنگ میں نہ جانے کا فیصلہ کیا اس طرح یہ قائد اہل سنت کی پہلی اور آخری میٹنگ تھی۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے منبر و محراب کی لاج رکھتے ہوئے بلا کسی خوف و خطر کے اعلائے کلمۃ اللہ کا حق ادا کر دیا۔ شاہ ہمدان میموریل ٹرسٹ پانپور کشمیر نے ان کے اداریوں میں سے چند اداریوں کو کتابی شکل دیکر ”مقالات اندرابی“ کے نام سے شائع بھی کیا ہے۔ انشاءاللہ باقی اداریوں کو بھی کتابی شکل دیکر مقالات اندرابی جلد دوم کے نام سے شائع کیا جائے گا۔

۱۱ رجون ۲۰۱۵ء میں چرار شریف کے اجتماع میں لوگوں سے رخصت لینا:

قائد اہل سنت کی خواہش وہدایت پر پچھلے کئی سالوں سے حضرت شیخ نور الدین نورانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے آستانہ عالیہ پر شاہ ہمدان میموریل ٹرسٹ پانپور اور دار العلوم غوثیہ ہمدانیہ موتگہامہ پلوامہ کا مشترکہ پروگرام ہوا کرتا ہے جس میں تبلیغ دین، نعت و مناقب، ذکر و اذکار اور توبہ استغفار کی مجلس ہوا کرتی ہے جس کی صدارت ہمیشہ سے ہی قائد اہل سنت اندرابی صاحب فرماتے رہے حسب معمول ۱۱ جون ۲۰۱۵ء بروز جمعرات ۲۳ شعبان آستان عالیہ حضرت شیخ نور الدین نورانی علیہ الرحمۃ چرار شریف پر ایک مجلس استغفار منعقد ہوئی رات بھر شب خوانی کر کے صبح کے وقت اندرابی صاحب نے خطبہ صدارت کے بعد دوران دُعا لوگوں سے رخصت لیکر فرمایا: لوگو شائد میرے اور آپ کے درمیان یہ آخری ملاقات ہے لیکن میری وصیت ہے کہ آپ اس پروگرام کو جاری رکھنا۔ سامعین کرام نے اشک بھری آنکھوں سے قائد اہل سنت کے لیے دعائیں دیتے رہے۔ اور صبح کی نماز ادا کر کے سب اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہوئے اور واقعی یہ آخری ملاقات ثابت ہوئی۔

جمعۃ المبارک پر قائد اہل سنت کا آخری خطبہ:

قائد اہل سنت کا اکثر معمول تھا کہ وہ ۱۲ ربیع الاول شریف کے بعد میں آنے والے جمعۃ المبارک کو مولود مسعود حضرت سرور کائنات جامع مسجد شریف حضرت میر سید صاحب وشہ بک میں پڑھا کرتے تھے لیکن گزشتہ سال ۲۰۱۵ء میں خلاف معمول ۶ ربیع الاول بمطابق ۱۸ دسمبر ۲۰۱۵ء بروز جمعۃ المبارک نماز جمعہ سے پہلے قائد اہل سنت نے مولود شریف پڑھا، جس میں اکثر نعت خوانی خود ہی فرمائی۔ بعد نماز جمعہ واپس گھر تشریف لائے۔

۲۰ دسمبر ۲۰۱۵ء بروز اتوار راقم صبح ۱۰ بجے پانپور سے نکل کر جڈورہ کی طرف حضرت کی ملاقات کے لیے نکلا وہاں پہنچ کر حضرت کے ساتھ دن بھر مختلف موضوعات پر گفتگو ہوئی اور کچھ راز و نیاز کی باتیں بھی ہوئی اس دوران دو چار سائل بھی آگئے لیکن حضرت نے ان کو جلدی جلدی تبرک دے کر رخصت کیا۔ اور اہم بات یہ بھی ہے کہ راقم کا جو دعاے صبح ترتیب دیا ہوا ہے اس کا پیش لفظ بھی حضرت نے مجھے عنایت فرمایا۔ جو کسی کتاب کے پیش لفظ تحریر کرنے میں یہ آخری تحریر تھی۔ بالآخر ساڑھے چار بجے میں رخصت لے کر گھر کی طرف روانہ ہوا۔ ۲۱ دسمبر ۲۰۱۵ء بروز سوموار شام کو حضرت کی طبیعت ناساز ہوگئی اور اگلے روز ڈاکٹر صاحب کے پاس پلوامہ علاج کے لیے گئے لیکن طبیعت مزید خراب ہونے کی باعث ۲۳ دسمبر بروز بدھ حضرت کو صورہ میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں داخل کرنا پڑا رات بھر علاج کے لیے وہاں رات گزارنی پڑی...... (باقی ص:۵۶ پر)

سقوطِ بغداد

ہلاکو اور بش کے دور میں

مولانا محمد علی فاروقی

آخری عباسی خلیفہ ابواحمد عبداللہ جو تاریخ میں مستعصم باللہ بن مستنصر باللہ (۱۲۴۲ تا ۱۲۵۸) کے نام سے مشہور ہے۔ وہ ام ولد ہاجرہ کی بطن سے تھا۔ اپنے باپ مستنصر باللہ کے مرنے کے بعد ۶۴۱ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس میں حکومتی صلاحتیں بالکل نہیں تھیں۔ وہ ہمیشہ عیش وعشرت کا دلدادہ رہا کرتا تھا۔ دولتوں کا حریص، جواہرات کا شوقین عیاشیوں میں مست رہنے والا شخص تھا۔ اس کے تکبر کا اندازہ صرف اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے دربار میں بڑے بڑے ملکوں کے بادشاہوں کو باریابی کی اجازت نہیں تھی۔ اس نے شاہی محل کے قبوں کے سامنے ایک پتھر حجر اسود کی طرح رکھوا دیا تھا اور سیاہ اطلس کا ایک تھان کھڑکی سے آستین کی طرح اسے چھوتے رہتا تھا۔ سلاطین وقت میں جو کوئی بادشاہ سے ملنے آتا وہ صرف پردے کی زیارت کرتا اور پتھر کو بوسہ دے کر روانہ ہوجاتا۔

چین کے پہاڑی علاقے طمغاچ میں رہنے والے تاتاریوں نے ۶۱۶ھ میں اپنے سردار چنگیز خان کے ساتھ پہاڑوں سے نکل کر ایک مضبوط حکومت قائم کرلی تھی۔ جس نے خوارزم شاہ کی سلطنت وسط ایشیاء اور ایران کو مکمل برباد کردیا۔ چنگیز خان اسے برباد کرنے کے بعد واپس منگولیا لوٹ گیا۔ جہاں ۱۲۲۷ء میں وہ مرگیا۔ مگر اسی کا اٹھایا ہوا طوفان آگے چل کر ہلاکو خان کے وجود میں خوفناک آندھی کی شکل اختیار کرگیا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ہلاکو خان کی ایک چہیتی بیوی عیسائی تھی۔ جس کی دلی خواہش تھی کہ ہلاکو خان مسلمانوں سے انتقام لے۔ اسی لیے ہلاکو خان کے بغداد پر حملہ کے وقت اس وقت کے پاپائے اعظم کی فوج بھی تاتاریوں کے شانہ بشانہ مسلمانوں کے قتل عام میں اور بغداد کے لوٹ مار میں برابر کے شریک تھی۔

مورخیں لکھتے ہیں کہ خلیفہ مستعصم باللہ کا وزیر ابن علقمی بڑا چالاک اور منقولات ومعقولات میں یگانہ روزگار ہونے کے ساتھ سخت متعصب شیعہ تھا۔ جس کی دلی خواہش تھی کہ خلافت عباسیہ کو ختم کرکے اسی کی جگہ کسی علوی کو خلیفہ بناکر شیعی حکومت کی بنیاد ڈالی جائے۔

اسی لیے اس نے ہلاکو خان سے سازوباز کرکے اسے بغداد پر حملہ کی دعوت دی۔ بغداد میں کچھ سمجھدار لوگ اس کی چال سے واقف بھی تھے۔ انھوں نے خلیفہ کو بار بار اس کی طرف متوجہ بھی کیا۔ مگر ہر بار ابن علقمی خلیفہ کو اپنی وفاداری کا ثبوت دے کر اپنے معتقد ہونے کا یقین دلاتا رہا اور ساتھ اپنے مخالفین کو بھی قتل بھی کرواتا رہا۔

ادھر نصیرالدین طوسی کو ہلاکو خان کے دربار میں بڑا رسوخ حاصل تھا۔ وہ بھی یہی چاہتا تھا کہ عباسی خلافت ختم ہوکر شیعی خلافت قائم ہوجائے۔ لہٰذا اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ابن علقمی نے اس کے ذریعہ بھی بار بار ہلاکو خان کو بغداد پر حملے کی دعوت دی۔ مگر ہلاکو خان خلیفہ کی کثرت فوج، عربوں کی بہادری اور اہل بغداد کی شجاعت سے کافی مرعوب تھا۔ ملک شام میں اس کے لشکر کو عربی قبائل نے شکست سے بھی دوچار کردیا تھا۔ اس لیے وہ ابن علقمی کے بار بار فرمائش پر بھی بغداد پر حملہ کرنے کی ہمّت نہیں کرپارہا تھا۔

ادھر ابن علقمی درپردہ ایک طرف ہلاکو کو بغداد کے لیے مسلسل دعوت دیتا رہا اور دوسری طرف خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوکر ملکی محاصل کی کمی اور فوج کی تنخواہوں کی زیادتی پر شکایت کرتا رہا۔ بالآخر اس کی سازش کامیاب ہوئی اور فوج کا ایک بڑا حصہ مختلف شہروں اور ولایتوں پر منتشر کردیا گیا۔ جس کی وجہ سے بغداد میں معمولی تعداد میں فوج کا صرف ایک حصّہ رہ گیا۔ آخر کار اس کی خفیہ سازش رنگ لائی اور ہلاکو خان بغداد پر چڑھ دوڑا۔

عین اس وقت جب کہ بغداد فوجیوں سے خالی پڑا تھا اور

مہتمم مدرسہ اصلاح المسلمین ودارالیتامٰی رائے پور سی،جی m_a_farooqyi786@yahoo.com

ہلاکو خان کا محاصرہ دن بدن تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ ابن علقمی نے پھر ایک چال چلی اور خلیفہ کو ہلاکو خاں کے مقابلہ پر اترنے کے بجائے اس نے رشتہ مصاہرت کا جال پھینک خلیفہ کو منگولوں کے مقابلے پر جانے سے روک دیا۔

اس موقع پر ایک غیرت مند کرد امیر عزالدین نے خلیفہ کی بے حسی اور بزدلی دیکھ کر خود ہی بیس ہزار کی فوج تیار کی اور اسے ساتھ لے کر منگولوں کا شاندار مقابلہ کیا۔ جس پر اسے یک گونہ کامیابی بھی ملی۔ چونکہ اسلامی فوج نے دریائے دجلہ کو عبور کر کے جس جگہ پڑاؤ ڈالا تھا۔ وہاں قریب ہی کچھ فاصلے پر اونچائی پر ایک نہر بہہ رہی تھی۔ جو دریائے دجلہ سے نکل کر بغداد کی طرف جاتی تھی۔

ابن علقمی نے دیکھا کہ کرد امیر ملک عزالدین اس کی چالوں پر پانی پھیر رہا ہے اور ہلاکو خان کی فوج کو پیچھے ڈھکیل رہا ہے تو اس نے ایک رات شہر کا پانی اپنے آدمیوں کے ذریعہ اسلامی لشکر کی طرف چھوڑوا دیا جس سے سارا لشکر بدحال ہو گیا۔ دوسری طرف منگولوں نے بھی ان پر پلٹ کر حملہ کر دیا۔ جس سے وہ لشکر شکست کھا کر بغداد کی طرف لوٹ آیا۔

ملک عزالدین اور بعض مخلص امرأ نے پھر ایک بار کوشش کر کے بادشاہ تک رسائی حاصل کر کے اس کے سامنے ساری صورت حال رکھنے کے بعد اسے پھر مشورہ دیا کہ فی الحال دفاع کی ساری صورتیں ہمارے لیے ختم ہو چکی ہیں۔ دوسری طرف منگولوں کا دو لاکھ کا ٹڈی دل لشکر قلعہ کے دروازے تک آ پہنچا ہے۔ اس لیے حکمت و مصلحت کو بروئے کار لاتے ہوئے امیر المومنین کو چاہیے کہ مع اپنے اہل و عیال اور جملہ اسباب و سامان کے ساتھ کشتی کے ذریعہ یہاں سے نکل چلیں اور بصرہ کے قریب پہنچ کر خدائی مدد کا انتظار کریں۔ ممکن ہے کہ کوئی مدد آ جائے اور ہم تاتاریوں کو مغلوب کر سکیں۔

خلیفہ ابن علقمی کے سازشی جال میں اس قدر پھنس چکا تھا کہ اس نے یہ سارے مشورے اس کے سامنے رکھ دیے۔ ابن علقمی نے جب دیکھا کہ ان امرأ کی وجہ سے بنا بنایا کھیل بگڑ رہا ہے تو اس نے پینترا بدلتے ہوئے کہا کہ امیر المومنین کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم نے تاتاریوں سے صلح کر لی ہے۔ اگر میری بات پہ آپ کو بھروسہ نہ ہو تو اپنے شہزادے ابوبکر کو ہلاکو کے پاس بھیج دیں اور ان کے ذریعہ خود معلوم کر لیں کہ تاتاری آپ کے شہزادے کی کتنی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ سازش کے مطابق جب امیر ابوبکر منگولوں کے پاس پہنچا، تو انھوں نے اس کا ایسا زبردست استقبال کیا کہ خود شہزادہ بھی حیران، مبہوت اور ششدر رہ گیا۔

مشہور مورخ منہاج سراج الدین اپنی مشہور کتاب طبقات ناصری میں لکھتے ہیں کہ

خلیفہ کا بیٹا امیر ابوبکر ہلاکو کے لشکرگاہ میں پہنچا تو تمام تاتاریوں نے اور اس کے ساتھ شامل غدّار مسلمانوں نے اس کا شاندار استقبال کیا۔ یہاں تک کہ خود ہلاکو خان چالیس قدم آگے بڑھ کر اس کی پیشوائی کر کے اسے اپنی جگہ بٹھایا اور خود اس کے سامنے بڑے ادب سے دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ ہلاکو خان بیٹھتے ہی عرض گزار ہوا کہ میں تو خلیفہ کی خدمت میں صرف اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ فرمانبرداری کا حلف اٹھاؤں۔ مجھے امرا نے بتایا کہ اس وقت روئے زمین پر سب سے بڑا مسلمان کوئی ہے تو وہ خود امیر المومنین ہیں۔ میری دلی تمنّا ہے کہ میں ان کے ہاتھوں اسلام قبول کروں۔

ابن علقمی کے مشورہ کی بنیاد پر ہلاکو نے کچھ اس طرح عقیدت و محبت کا اظہار کیا کہ شہزادہ امیر ابوبکر اس کے دام تزویر میں پھنس کر خوشی و مسرت کا سہانہ خواب لیے خلیفہ کے پاس پہنچا اور وہاں پہنچ کر اس نے کچھ اس انداز میں ہلاکو کے قصیدے پڑھے کہ مخلصین کی ہزار فہمائش کے باوجود اور لاکھ سمجھانے کے باوجود خلیفہ اپنے کچھ امرا اور کچھ بیٹوں کے ساتھ ہلاکو سے ملنے چل پڑا۔ ہلاکو نے بڑے دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے خلیفہ کے ذریعہ شہر کے تمام ذمہ دار علما اور امرا کو اپنے پاس بلوا لیا اور پھر جیسے ہی یہ امرأ وہاں پہنچے ان سبھوں کو اس نے قتل کروا دیا۔ یہاں تک ان کے قتل کے بعد خلیفہ کے ذریعہ اس نے شہر میں یہ پیغام بھی بھجوا دیا کہ اہل شہر ہتھیار پھینک کر خالی ہاتھ باہر آجائیں۔ اور پھر ان کا باہر آنا تھا کہ تاتاریوں نے ان پر جو ظلم کیا۔ اس کو نہ کوئی زبان بیان کر سکتی ہے اور نہ کوئی قلم لکھ سکتا ہے۔

شہر سے باہر نکلتے ہی سارے شرفا اور سوار و پیادے گھیرے اور ککڑی کی طرح کاٹ دیے گئے۔ شہر کی خندقیں لاشوں سے بھر گئیں۔ جو بھی تاتاریوں کے سامنے آیا وہ خون میں نہا گیا۔ دھرتی پر خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ عورت، مرد، بچّے بوڑھے سبھی تہ تیغ کر دیے گئے۔ شہر ہی نہیں بلکہ شہر کے آس پاس گاؤں دیہات تک تاتاری پہنچے اور بستی کی بستی اجاڑتے چلے گئے۔ انسانوں کے ساتھ ساتھ محلات اور عمارتوں میں

آگ لگاکروہ قہقہہ بلند کرتے اور تڑپتی لاش اور سسکتی زندگیوں پر رقص وسرور کی محفل سجاتے جاتے جس طرح ایک شرابی نشہ میں جھومتا ہے اسی طرح وہ آبادیوں سے اٹھتے دھواں میں مست ہوکر تھرکتے اور ناچتے۔

اگلے روز ۹، صفر ۶۵۶ھ مطابق ۱۲۵۸ء بروز جمعہ خلیفہ کو لیے ہوئے وہ قصر خلافت میں داخل ہوااوراجلاس عام میں خلیفہ کو بلاکر کہنے لگا، خلیفہ صاحب ہم تو تمھارے مہمان ہیں ،ہمارے لیے کچھ حاضر کرو۔ خلیفہ دہشت سے کانپ رہا تھا۔ بالآخر ہلاکو کے حکم سے خزانے کے تالے توڑے گئے۔ وہاں سے دوہزار نہایت نفیس پوشاکیں، ہزار دینار اور سونے کے زیوارات نکلے جسے دیکھ کر ہلاکو کی آنکھیں چکاچوند ہوگئیں۔ پھر خلیفہ سے مدفون خزانوں کا پتہ معلوم کرکے ہلاکوں نے زمیں کھودوایا۔ جہاں سے جواہرات اور اشرفیوں سے بھرے تھیلیوں کے حوض نکلے۔ اس لوٹ مار اور قتل وغارت گری میں شہر اور اس کے مضافات میں مرنے والوں کی تعداد ایک کروڑ چھ لاکھ بتائی جاتی ہے۔

ہلاکو نے خلیفہ کو بے آب ودانہ نظر بند کردیا۔ جب کھانے کا وقت آیا تو ہلاکو نے خلیفہ کو دسترخوان پر بلوایا اور کھانے کی کوئی چیز دینے کے بجائے اس کے سامنے سونے چاندی کے ڈھیر رکھ کر کہا لیجیے اسے تناول فرمائیے۔ خلیفہ نے نہایت بے بسی کے ساتھ کہا کہ اسے کس طرح کھا سکتا ہوں ؟ اس پر ہلاکو نے کہا تو پھر آپ نے اس سے اپنے لیے حفاظت کا اہتمام کیوں نہیں کیا؟ آپ نے ان زروجواہرات سے بھرے صندوقوں کے فولاد سے اپنی فوج کے لیے تیروں کے سوفار کیوں نہیں بنوائے ؟ انھیں سپاہیوں میں تقسیم کیوں نہیں کیا؟ تاکہ وہ تمھاری طرف سے آکر مجھ سے لڑتے اور تمھارے موروثی ملک کو مجھ سے بچاتے ؟ خلیفہ نے نہایت بے بسی کے عالم میں کہا مشیت ایزدی یہی تھی۔ جس پر ہلاکو نے کہا اچھا تو اب ہم بھی تم سے جو سلوک کریں گے تم اسے بھی مشیت ایزدی ہی سمجھنا۔

اس کے بعد ہلاکو نے خلیفہ کے قتل کے سلسلے میں اپنے امراَ سے مشورہ کیا۔ سبھوں نے اس کے قتل کا مشورہ دیا۔ مگر نصیر الدین طوسی اور ابن علقمی جو شروع سے ہی خلافت عباسیہ کے چھپے دشمن تھے اور اس کی جگہ شیعہ ہونے کی بنیاد پر علوی حکمرانوں کا خواب دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے ہلاکو سے کہا کہ یہ مسلمانوں کا خلیفہ ہے۔ اگر اس کا ایک قطرہ خون بھی زمین پر گرے گا تو آپ کی فتح کے لیے بدشگونی ہوگی۔ اس لیے اسے تلوار سے قتل کرنے کے بجائے نمدے میں لپیٹ کر مارا جائے۔ پھر تو کیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے خلیفہ اور اس کے اولادوں کو نمدے میں لپیٹ کر مسل دیا گیا اور پھر لات وجوتوں سے اتنی ٹھوکائی ہوئی کہ ان کا اسی میں دم نکل گیا۔ ان کے مرتے ہی ابن علقمی کے حکم سے گھوڑوں کے ٹاپوں سے اس طرح انھیں روندا گیا کہ ان کا پورا جسم ریزہ ریزہ اور پارہ پارہ ہوگیا۔

ان کی روندی ہوئی لاش اور پارہ پارہ ہوتے ہوئے جسم کو دیکھ کر ابن علقمی کی شیعی فطرت جاگ اٹھی اور وہ خوشی سے جھومنے لگا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ علویوں کے خون کا بدلہ لے رہا ہو۔ اور سنیوں کی تڑپتی ہوئی لاش پر قہقہہ بلند کررہا ہو۔ اس کے بعد سارے بغداد سے اصحاب علم وفکر کو چن چن کر قتل کیا گیا۔

مدرسہ مستنصریہ جسے مستنصر باللہ نے لگاتار سات سال کی محنت سے تعمیر کروایا تھا۔ اس مدرسہ کا کتب خانہ اتنا بڑا تھا کہ ساٹھ اونٹوں پر لاد کر اس کی کتابیں لائیں گئیں تھیں۔ اس طرح یہ لاکھوں کتابوں کا عظیم الشان مدرسہ دیکھتے ہی دیکھتے شعلوں کے نذر ہوگیا۔ اور پھر جلی ہوئی کتابوں کو جب دریاے دجلہ میں ڈالا گیا تو سارا پانی کالا ہوگیا۔ کہاں تو مسلمانوں کے خون سے دریاے دجلہ سرخ تھا اور اب عظیم الشان لائبریریوں کی جلی ہوئی کتابوں سے سارا دریا کالا ہوگیا۔ عرصہ دراز تک اسی کا پانی میلوں کالا ہوکر بہتا رہا۔ کتابوں کی کثرت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ کہیں کہیں کتابوں کے پشتارہ سے دجلہ میں باندھ سا بن گیا۔

اسی موقع پر بنو بویہ کا مشہور شفا خانہ بھی ختم ہوگیا۔ جسے عضد الدولہ نے ۹۸۱ میں دریاے دجلہ کے کنارے قائم کیا تھا۔ اس وقت ساری دنیا میں اس کی نظیر نہیں تھی۔ اس میں ملک کے مایۂ ناز ۲۴ ماہر اطباء ہر وقت مریضوں کا علاج کیا کرتے تھے ۔ان کے علاوہ سرجن، آنکھوں کے علاج کے ماہرین الگ تھے۔ اس کے اخراجات کے لیے اسی وقت ساڑھے سات لاکھ کی جاگیر وقف تھی۔ مگر اتنا عظیم الشان شفاخانہ بھی ہلاکو خان کی فوج کی دہشت انگیزی سے نہیں بچ سکا۔ غرض کہ ایسی دہشت ناک اور کلیجہ دہلا دینے والی تباہی وبربادی تھی کہ اس کی نظیر تاریخ اسلام ہی نہیں بلکہ تاریخ عالم میں نہیں ملے گی۔ مورخین نے اس تباہی کو قیامت صغریٰ کے نام سے یاد کیا ہے۔

ابن علقمی جو شیعہ ہونے کی وجہ سے عباسیوں کا اندرونی مخالف اور سنیوں کا جانی دشمن تھا۔ اسے امید تھی کہ خلیفہ کے بعد ہلاکو خان اس کے مشورے سے کسی علوی کے کسی فرد کو تخت نشین بناکر خود ابن علقمی کو اس

کا وزیر بنادے گا۔ جس کے ذریعہ وہ پورے مملکت اسلامیہ کو خون کی ندی میں نہلا کر شیعی فکر ونظر کو پروان چڑھائے گا۔ مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ بغداد کی تباہی کے بعد ہلاکو نے اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا بلکہ اس کی مرضی کے خلاف اپنا ایک عامل مقرر کردیا۔ یہ دیکھ ابن علقمی کے ہاتھ کے طوطے اڑ گئے۔ وہ مقصد براری کے لیے لگا تار ہلاکو خان کے سامنے گڑگڑاتا رہا۔ تاتاریوں کی جوتیاں سیدھی کرتا رہا۔ بڑی بڑی چالیں چلتا رہا۔ مگر نہ اس کی خوشامد کام آئی اور نہ اس کا گڑگڑانا کام آیا۔ یہاں تک کہ ایک دھتکارے ہوئے کتے کی طرح وہ سسک سسک کر موت کے منہ میں چلا گیا۔

فتح کے بعد خلیفہ اور اس کے امراء کے قتل کے ساتھ، ایک طرف ہلاکو خان کی فوج مسلسل بغداد کو لوٹتی رہی۔ آگ کے شعلے اور دھواں کے مرغولے بغداد کے ہر چیز کو جلاتے رہے۔ تاتاریوں کو خونریزی اتنی پسند تھی کہ وہ آدمیوں کے سروں کا مینارہ بناتے اور اس کی گرد رقص کرتے، ناچتے گاتے اور خوشیوں میں تھرکتے۔ دوسری طرف ہلاکو خان اپنے غرور واقتدار میں جھوم جھوم کر مسلم بادشاہوں کو للکارتا رہا۔

اس سلسلے میں تاریخ الخلفا میں علّامہ جلال الدین سیوطی نے اس کا ایک خط نقل کیا ہے جو اس نے بغداد کے پہلے سقوط اور اس کے پہلے زوال ۱۲۵۸ء کے بعد شام کے حکمراں سلطان ناصر کے نام لکھا تھا۔ خط کا ایک ایک جملہ اس کے غرور وتکبر کی داستان سنا رہا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

ملک الناصر! تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہم خدا کے لشکر ہیں۔ وہ ہمارے ہی ذریعہ گناہگاروں، خطاکاروں، ظالموں اور متکبروں سے انتقام لیتا ہے۔ ہم جو کچھ کرتے ہیں وہ خدا کے حکم سے کرتے ہیں۔ اگر ہم کو کبھی غصّہ آجاتا ہے تو ہم کایا پلٹ دیتے ہیں۔ ہم نے بہت سے شہروں کو برباد کیا۔ بندگان خدا کو ہلاک کیا۔ ہم عورتوں اور بچّوں پر بھی رحم نہیں کرتے۔ اس دنیا میں رہنے بسنے والے لوگو! تمھارا حشر بھی یہی کچھ ہونے والا ہے۔ یاد رکھو۔ ہماری فوج رحم کھانے والی نہیں، بلکہ برباد کرنے والی ہے۔ ہمیں ملک گیری کی خواہش نہیں، بلکہ ہماری تمنّا انتقام کی ہے۔ ہمارے تلوار کی مار سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ ہم سے بھاگ کر کہاں جائوگے۔ بحر وبر پر ہمارا قبضہ ہے۔ ہماری ہیبت سے اور ہماری دہشت سے دنیا کانپ رہی ہے۔ ہمارے قبضہ میں تمام خلفاء اور تمام امرائہیں۔ اب ہم تمھاری طرف بڑھ رہے ہیں۔ اب تم بھاگ سکتے ہو تو بھاگو، ہم تمھارا پیچھا کر رہے ہیں۔

بغداد کا سقوط: دور فاروقی میں جنگ قادسیہ ۶۳۶ء کے بعد عراق اسلامی مملکت کا ایک حصّہ بن گیا۔ فروری ۱۲۵۸ میں خلافت عباسیہ کے خاتمے کے بعد عراق ۱۳۴۰ء تک منگولوں کے ایل اصل خاندان کے زیر اقتدار رہا۔ جس کا مرکز ایران تھا۔ ۱۳۴۰ء سے ۱۴۰۱ء تک ایک اور منگولی خاندان جو تاریخ میں جلائر کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی وہاں حکومت قائم رہی۔ اس کے بعد ترک خاندانوں میں ایک خاندان قرہ قویونلو نے ۱۴۱۰ء سے لے کر ۱۴۶۹ تک حکومت کی۔ پھر ترک خاندان کی ایک اور شاخ آق قویونلو (۱۴۶۹ء تا ۱۵۰۸ء) نے اسے اپنے زیر اقتدار رکھا۔ ان کا دارالسلطنت آزربائیجان اور اناطولیہ تھا۔ ۱۵۰۸ سے ۱۵۳۴ تک ایران کے صفوی سلطنت نے اسے ایک صوبہ کی حیثیت سے اپنی حکومت میں شامل کیا۔ پھر ۱۵۳۴ سے ۱۹۱۸ تک تقریبًا چار سو سال تک عراق خلافت عثمانیہ کے ایک صوبے کی حیثیت سے اپنا وجود منواتا رہا۔

خلافت عثمانیہ نے انتظامی حالات کے پیش نظر صوبہ عراق کو تین حصّوں میں تقسیم کردیا تھا۔ اس طرح بصرہ، موصل اور بغداد کا صوبہ وجود میں آیا۔

۱۹۰۸ء میں قوم پرستی کے بنیاد پر یہودیوں اور عیسائیوں کے سازشی جال میں پھنس کر ترکوں نے ایک تنظیم بنائی۔ جسے انجمن اتحاد ترقی کے نام سے لوگ جانتے ہیں۔ جس کا ظاہری مقصد سلطنت عثمانیہ کو ختم کرنا تھا مگر ان کا مقصد اصلی اسلام اور مسلمانوں کو برباد کرنا تھا۔ اسی کے زیر اثر عراقی فوجیوں نے ایک خفیہ انقلاب سوسائٹی بنائی۔ تاکہ عرب علاقوں کو سلطنت عثمانیہ سے توڑ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں انھیں بانٹا جاسکے۔

۱۹۱۶ء میں جب عثمانی حکومت کے خلاف عربوں نے بغاوت کی، تو اس میں وہی عراقی فوجی افسر آگے آگے تھے۔ جنہوں نے خفیہ انقلابی سوسائٹی بنا رکھی تھی جس کا نام العہد تھا۔

سعید نوری پاشا جو آگے چل کر عراق کے وزیر اعظم بنے۔ عثمانی فوجوں میں ان ہی عراقی افسروں میں سے ایک تھے جو عثمانی سلطنت سے عرب علاقوں کو توڑنا چاہتے تھے۔

۲۲ نومبر ۱۹۱۴ کو انگریزی فوجوں نے بصرہ پر قبضہ کرلیا ۱۱ مارچ ۱۹۱۷ کو بغداد پر ۱۹۱۸ کو موصل پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا۔ اس قبضہ نے

پورے عراق کو انگریزوں کی نوآبادی کالونی میں تبدیل کرلیا جس کے نتیجہ میں وہاں بار بار بغاوتیں ہوتی رہیں اور انگریز اسے مسلسل دباتے رہے مگر ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۲ کو انھیں مجبوراً عراق کو آزاد کرنا پڑا۔

کویت جو کبھی ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ ۱۸۹۷ میں ترک سلطان نے کویت کے ایک شیخ مبارک الصباح کو اس بستی کا منتظم بنایا۔ اس طرح کویت کی تاریخ میں پہلی بار اس کی ایک نئی پہچان بنی۔ پھر بھی وہ ابھی تک عراق کا ہی ایک حصّہ تھا۔ شیخ مبارک الصباح نے خفیہ طور پر انگریزوں سے ایک فوجی معاہدہ کرلیا۔ اس طرح پہلی بار کویت انگریزوں کے دام تزویر میں پھنس گیا۔ مگر ترک سلطان نے نہایت دانشمندی سے کام لیتے ہوئے اس معاہدہ کو منسوخ کرکے انگریزوں کے بڑھتے قدم پر روک لگادی۔ شیخ الصباح بھی معافی مانگ کر سلطان ترکی کے وفاداری کا اعلان کرنے لگا۔ یہ ۱۹۰۱ کی بات ہے۔ مگر برطانیہ بھی اپنی چال میں خاموش نہیں بیٹھا۔ جلد ہی پھر ایک خفیہ سازش کے تحت اس نے اسے عراق سے الگ کرکے اپنے انتداب میں لے لیا۔ اسی طرح عراق اپنے موجودہ جغرافیائی سرحدوں کے ساتھ ۱۹۲۱ میں وجود میں آیا۔

اب کویت انگریزوں کے زیر اقتدار انگریزی کالونی کے روپ میں تھا۔ دوسری طرف عراق بار بار اس کی واپسی کا مطالبہ دہراتا رہا۔ ادھر کویت بھی آزادی کے لیے ہاتھ پیر مارتا رہا۔ بالآخر ۱۹۶۱ کو انگریز کویت کو آزاد کرنے پر مجبور ہوگئے۔ مگر عراق اب بھی برابر اسے اپنے ملک کا ایک حصّہ مانتا رہا۔

۲ اگست ۱۹۹۰ کو عراق کویت پر قابض ہوجاتا ہے۔ جس پر پورا یورپ، انگلینڈ اور امریکہ شور مچانے لگتے ہیں اور عراق کی فوج کو واپس بلانے کے لیے جناب صدام حسین پر دباؤ ڈالنے لگتے ہیں او رپھر اس کے نہ ماننے پر ۱۶ جنوری ۱۹۹۱ کو اس پر حملہ کردیا جاتا ہے، جو مسلسل چوالس دنوں تک جاری رہتا ہے۔ بالآخر ۲۸ فروری کو کویت عراق سے آزاد کرالیا جاتا ہے۔

حالانکہ ۱۹۶۷ سے اسرائیل بھی جارحیت کا اظہار کرتے ہوئے عرب ممالک کے کئی حصّوں پر قابض ہوگیا اور وہ قبضہ آج تک برقرار ہے۔ اسے نہ تو اقوام متحدہ آزاد کراسکا، نہ ہی امریکہ اور انگلینڈ کو وہاں مرتے بوڑھے، تڑپتے بچے اور سسکتی عورتیں نظر آئیں۔ اسرائیل کے ہزار ظلم وستم کے باوجود اور اس کی ہزار سفاکیوں کے باوجود نہ تو آج تک انھیں انسانیت نظر آئی اور نہ بے گناہوں کے بہتے ہوئے خون دکھائی دیے۔ مگر کویت میں عراقی فوجیوں کا انھیں ایسا بھیانک ظلم نظر آیا کہ وہ بستر چھوڑ چھوڑ کر اٹھے اور چیخ چیخ کر انسانیت کی دہائی دینے لگے۔ بالآخر یہودیوں کی ایک خفیہ پلاننگ کے تحت اور صیہونیت کے پر اسرار پروٹوکال کی بنیاد پر لاکھوں بے گناہوں کے خون سے عراق کی دھرتی کو رنگین بناکر امریکی صدر مسٹر جونیر بش نے اور برطانوی پرائمنسٹر ٹونی بلیر نے ۲۸ فروری ۱۹۹۱ ء کو اسے عراق سے آزاد کروالیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اب جنگ ختم ہوجاتی امریکی فوج جو سعودیوں کے مہمانی میں پل رہی تھی، وہ اب رخصت ہوجاتی۔ مگر کویت تو صرف ایک بہانہ تھا۔ اصل نشانہ کچھ اور تھا۔ اسی لیے نہ امریکی فوج سعودی عربیہ کی دھرتی ہی سے گئی اور نہ کویت سے ہی ان کی رخصتی ہوئی۔ اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو ایک مسیحا کے روپ میں مانتے ہیں اور عراقی عوام کو صدامی ظلم وجبر سے چھٹکارا دلانے کے ''نیک جزبے'' کے ساتھ وہاں پہنچے ہیں۔ ان ''مسیحاؤں'' کے ''نیک جزبے'' نے وہاں امن اور شانتی کا جو ریکارڈ بنایا اس میں تقریباً ۱۰ لاکھ انسانوں کے وجود سے مسٹر ٹونی (کے ٹونی ٹوٹکا) نے دھرتی کا بوجھ ہلکا کردیا۔ بقول جنرل ٹومی فرینک، ہم لاشوں کو گنا نہیں کرتے۔

ان اتحادی فوجیوں نے وہاں پہنچتے ہی امن واماں اور نظم ونسق کے ساتھ خوں ریزی کا ایسا ریکارڈ بنایا کہ ہلاکو کی روح بھی جھک جھک کر انھیں خراج عقیدت پیش کرنے لگی۔ ان کے آزاد کردہ عراق میں جس طرف دیکھیے قتل وغارت گری کا ایسا طوفان بدتمیز تھا، جو ایک طرف ہلاکو کی روح سے آشیرواد لے رہا تھا تو دوسری طرف ایسا کردار پیش کر رہا تھا جس نے دنیا کے سامنے ایک بار پھر ۶۵۶ھ (مطابق ۱۲۵۸) ء کی تاریخ دہرادی۔

۶۵۶ھ میں حملہ کرنے والے اجڈ تھے، جاہل تھے اور وحشی بھی تھے۔ جن کے پاس تہذیب وتمدّن کی کوئی کرن نہیں پہنچی تھی۔ علم کا کوئی چراغ ان کے پاس نہیں تھا۔ انسانیت کی کوئی روشنی ان کے یہاں نہیں تھی۔ مگر ۱۹۹۱ء میں حملہ آوروں کا دعویٰ تھا کہ وہ دنیا کی سب سے مہذب اور ترقی یافتہ قوم ہے۔ انسانیت کا جو جذبہ ان کے یہاں ہے، وہ کسی کے پاس نہیں ہے، تمدّن کا جو مینارہ ان کے یہاں روشن ہے، وہ دنیا میں اور کہیں نہیں ہے۔ انسان تو انسان ہیں، کتے بھی مرتے ہیں تو اس کے غم میں ان کی صحت کمزور ہوجاتی ہے۔ بہتے ہوئے خون تو دور کی بات ہے، جسموں سے ٹپکتے ہوئے خون کے قطروں پر ان

کے یہاں غموں کا طوفان امنڈ پڑتا ہے۔ مظلوموں کے آنکھوں میں آنسوں دیکھ کر ان کا کلیجہ دہل جاتا ہے۔ وہ ساری دنیا کو خوشی باٹنا چاہتے ہیں، ہر ملک کو مہذب بنانا چاہتے ہیں اور ہر قوم کو انسانیت کے زیور سے آراستہ کرنے کا منصوبہ رکھتے ہیں۔ مگر جب امریکی صدر مسٹر جونیر بش اور برطانوی پرائیم منسٹر ٹونی بلیر کے آشرواد کے ساتھ ان کی فوجیں عراق کی دھرتی پر پہنچی تو انھوں نے "انسانیت" کو کتنا بلند مقام عطا کیا اور سسکتی ہوئی آہوں اور گھٹتی ہوئی فریادوں کی کیسی "دادرسی" کی اس کا اندازہ اس سے لگائیے۔

عراق کا نیشنل میوزیم (قومی عجائب گھر) جو ایک تاریخی ورثہ کی حیثیت سے دنیا بھر میں مشہور تھا۔ جہاں تاریخ کے نوادرات اور قبل مسیح کے تاریخی واقعات کی تلاش میں دنیا بھر کے محققین کی جماعت ہمیشہ پڑی رہتی تھی اور اس کی بنیاد پر ریسرچ اسکالروں کی تحقیقات کو دنیا بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ جہاں قدیم شہر بابل کی نادر ونایاب چیزیں محفوظ تھیں، جو اپنی خاموش زبان سے ماضی کا رشتہ حال سے جوڑ رہی تھیں۔ جہاں ایک لاکھ ستر ہزار نادر ونایاب چیزوں کا ذخیرہ ہمیشہ محققین کو اور ریسرچ اسکالران کو دعوت فکر دیا کرتا تھا۔ اہل تحقیق کا کہنا ہے کہ اس عجائب خانہ میں مشرقِ وسطیٰ کی ایسی تاریخ محفوظ تھی، جس کی مثال پوری دنیا میں ملنا مشکل ہے۔ جہاں چار ہزار سالہ قدیم تہذیب کے نوادرات نہایت حفاظت سے رکھے ہوئے تھے۔ سومیری تہذیب (۳۴۰۰ تا ۲۰۰۰ ق م) عگادی تمدّن (۲۳۳۴ تا ۲۱۵۴ ق م) بابلی ثقافت (۱۹۹۵ تا ۱۸۹۴ ق م) آشوری فکر (۲۰۰ تا ۱۵۹۵ ق م) کسریٰ (۱۵۹۵ تا ۱۱۵۷ ق م) کلدانی (۶۲۵ تا ۵۳۹ ق م) جیسے اقوام ملک کی تاریخ کے ساتھ ساتھ حطی، فونیقی، آرمینی، سیتھیائی اور فرجیائی قوموں تک پہنچانے والے ایسے ایسے نوادرات کا وہ عجائب خانہ ایک بڑا عظیم مرکز تھا، جس کی وجہ سے وہ صرف ایک میوزیم ہی نہیں تھا، بلکہ گزشتہ سات ہزار سالہ تاریخ کا منہ بولتا اور جیتا جاگتا ایسا شاہکار تھا، جہاں پہنچ کر محققین کا قلم نئی انگڑائی لینے لگتا تھا۔ ریسرچ کرنے والوں کے سامنے ایک نئی دنیا مسکرانے لگتی تھی، تلاش وجستجو کرنے والوں کے دل ودماغ میں ایک نیا گلشن اپنی رعنائی بکھیر نے لگتا تھا اور ماضی سے حال کو جوڑنے والے بے شمار عجائبات ونوادرات کا ایک سنسار ان کا استقبال کرتے نظر آتا تھا۔ دنیا کے عجائبات اور ملکوں کے میوزیم کی سیر کرنیوالوں کا کہنا ہے کہ شرق اوسط میں اس جیسا کوئی اور عجائب گھر نہیں پایا جاتا تھا۔ قوموں کی زندگی میں تاریخ حوالوں کی کتنی اہمیت ہے اور یہ ورثے ماضی سے حال کا رشتہ جوڑنے میں کیا کردارادا کرتے ہیں۔ اسے بتانے کی ضرورت نہیں۔

لیکن بڑے دکھ اور بے حد افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ قوموں کی مستند تاریخ کا یہ جو ایک بہت بڑا ذریعہ تھا۔ ٹونی بلیر اور جونیر بش کے آشرواد کے بعد مکمل طور پر تباہ وبرباد ہو گیا۔ اب یہاں ریت اور پتھر کی دیواروں کے سوا کچھ نہیں۔ جیسا کہ ہلاکو خان کے وقت دنیا کی سب سے بڑی لائبریری کو تباہ وبرباد کر کے منگولوں نے آگ لگا دی تھی۔ ویسے ہی "جناب بش" کی امن وامان قائم کرنے والی فوج اور بغداد کو ظلم وستم سے بچانے والے سپہ سالاروں نے اس تاریخی ورثہ کو برباد کر کے اعلان کر دیا کہ ہم عراق کو آزادی دلانے اور یہاں امن وامان قائم کرنے آئے ہیں اور اب ہم نے اسے آزاد کر کے پوری دنیا پر احسان کر دیا۔

اپنے زرخرید میڈیا کے ذریعہ انھوں نے دنیا کو یہ بار بار باور کرانا چاہا کہ یہاں کی عوام ہماری آمد سے بے حد خوش ہے۔ وہ صدام حسین کی آمریت سے بے حد خوف زدہ تھی اور اب انھیں جو آزادی ملی تو ہر جگہ ہمارے فوجیوں کا استقبال کیا جارہا ہے۔ دیدۂ ودل فرش راہ کیے جارہے ہیں اور قدم قدم پر مرحبا اھلاً وسہلاً کا نعرہ بلند کیا جارہا ہے مگر ان سارے خودستائی اور ساری خوش فہمی اور دنیا سے آشیرواد لینے کی آرزوؤں کی قلعی اس وقت کھل گئی جب ایک عراقی نے جونیر بش پر جوتا پھینکا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس جوتے کی بولی ستر ہزار دینار سے آگے بڑھ گئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت نمرود نے انھیں آگ کے لپکتے ہوئے شعلوں اور بہکتے ہوئے انگاروں میں ڈال کر خوشی ومسرت کا نعرہ لگایا تھا کہ آج ہم نے دنیا کے ایک بڑے دشمن کو ختم کر دیا۔ مگر دنیا نے چند ہی دنوں بعد دیکھا کہ حضرت ابراہیم گلشن سعادت میں مسکراتے رہے اور نمرود نہ صرف اپنی آتش شقاوت میں جلتا رہا بلکہ تخت شاہی پر بیٹھ کر بھی کھوپڑی کے علاج کے نام پر جوتے کھاتا رہا۔

بش پر بھی پڑنے والے جوتے نے ماضی کی تاریخ کو حال سے جوڑ کر جوتے کی بھی تاریخ محفوظ کر دی اور جوتا خوری کی دنیا میں بھی ایک نئے نام کا اضافہ کر دیا۔ اب عراق کی تاریخ اسی وقت تک نامکمل ہے جب تک اس میں نمرود، ہلاکو اور بش کے ساتھ نمرود کا جوتا اور بش کے جوتے کو بھی نہ جوڑا جائے۔ ٭٭٭

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم ارباب قلم اور علمائے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں ۔از: مبارک حسین مصباحی

اکتوبر ۲۰۱۶ء کا عنوان	عاشورۂ محرم اور چہلم شریف میں مسلمان کیا کریں؟ ایک تنقیدی جائزہ
نومبر ۲۰۱۶ء کا عنوان	اہلِ سنت کے غیر مربوط علما اور مشائخ- اسباب اور حل

اکثر پارٹیوں کا نشانہ مسلم ووٹ لینا اور بعد میں پریشان کرنا ہے

از: غلام رسول دہلوی۔grdehlavi@gmail.com

یوپی کے ۲۰۱۷ الیکشن میں مسلمانوں کا لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے اور پیس پارٹی یا علما کونسل وغیرہ جیسی جدید مسلم پارٹیاں مفید ہیں یا مضر؟ ان سوالوں کا جواب چند اہم تاریخی حوالوں اور سیاسی تجزیوں میں مضمر ہے۔

ملک کی آزادی کے بعد شروع کے ۵۰ سالوں میں قومی سطح پر کانگریس پارٹی بڑی تعداد میں مسلم ووٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہوتی رہی- وجہ یہ تھی کہ بہت سے مسلمان کانگریس کی حمایت کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش میں لگے رہے کہ وہ قوم پرست ہیں اور اپنے وطن کے وفادار سپاہی ہیں۔

چونکہ ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان کے قیام کا ذمہ دار مسلم لیگ اور اس کے سربراہ محمد علی جناح کو سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے تقسیم ہند کے بعد یہاں باقی رہ جانے والے مسلمان کانگریس کا پرزور سپورٹ خواہی نہ خواہی اسی امر کو ثابت کرنے کے لیے کرتے رہے- لیکن ممتاز صحافی وگندر یادو نے ایک اہم تجزیہ کیا ہے کہ: "اب صورتحال ویسی نہیں رہی-مسلم جماعتیں اب بالغ نظر ہو چکی ہیں۔ اگرچہ پہلے ۵۰ برسوں میں تقسیم ہند کے المیہ نے مسلمانوں کو اپنی مرضی کی سیاست کرنے سے روکے رکھا لیکن وہ دھیرے دھیرے اس سوچ سے نکل رہے ہیں"۔ ان کا ماننا ہے کہ "پچھلے تقریباً دس برسوں سے مسلمان اپنی بات کرنے لگے ہیں، اور یہ تبدیلی مسلمانوں اور جمہوریت دونوں کے لیے مثبت ہے"۔

حال ہی میں نیشنل میڈیا میں بھی یہ امر موضوع بحث بنا رہا- ۲۰ جولائی ۲۰۱۶ کو ملک کے مشہور ٹی وی چینل "این ڈی ٹی وی انڈیا" نے اس خبر کو موضوع سخن بنایا کہ اتر پردیش اسمبلی انتخابات کے آتے ہی مسلم پارٹیوں کی سرگرمی کیوں کر تیز ہو گئی ہے۔ این ڈی ٹی وی کے مطابق دس چھوٹی مسلم جماعتوں نے 'اتحاد فرنٹ' نام سے ایک محاذ بنایا ہے. چینل نے بتایا ہے کہ مسلم محاذ کے لوگ ایس پی، بی ایس پی اور کانگریس سے زیادہ مسلم نمائندگی کا مطالبہ کر رہے ہیں اور جو ان کی مانگ پوری کرے گا، یہ محاذ اسی پارٹی کا انتخابات میں ساتھ دے گا- یہ میڈیائی رپورٹس اور دیگر اعداد و شمار بھی یوگندر یادو کے مذکورہ بالا موقف کی تائید کر رہے ہیں-

لیکن مسلم تنظیموں کے انتخابی رن میں آنے کا ایک قدرتی شاخسانہ یہ بھی ہوگا کہ مسلم ووٹوں کی تقسیم اور بھی زیادہ یقینی ہوجائے گی اور کسی ایک جماعت کو بھی مسلمان ووٹوں کا ساٹھ فی صد ملنے کی توقع نہیں ہوگی ۔ علما کونسل اور پیس پارٹی کے علاوہ کئی اور چھوٹی چھوٹی مسلم پارٹیاں بھی میدان میں آرہی ہیں جن سے ووٹوں کی تقسیم یقینی ہے ۔ اترپردیش میں سب سے بڑا ووٹ بینک مسلمانوں کا ہے مگر اس ووٹ کے انتشار کے سبب مسلمان کنفیوزن کا شکار ہیں-یوپی میں ۲۰۱۷ کے انتخابات کے موقع پر جن مسلم پارٹیوں نے اس بار محاذ بنایا ہے، وہ یہ ہیں: پیس پارٹی، علماء کونسل، مسلم لیگ، مسلم مجلس، انڈین یونین مسلم لیگ، انڈین نیشنل لیگ، ویلفیئر پارٹی آف انڈیا، سوشل ڈیموکریٹک فرنٹ آف انڈیا، پرچم پارٹی اور مسلم سیاسی بیداری فورم-

بنیادی طور پر ان سب مسلم پارٹیوں کا ایک مدعا ہے اور وہ یہ ہے کہ اتر پردیش میں تمام سیاسی جماعتوں کا مقصد محض مسلم ووٹ بینک کا حصول رہا ہے اور الیکشن کے بعد ان سبھوں نے مسلم مفادات پر ضرب کاری کی ہے- اس لئے اتر پردیش کے مسلم لیڈروں نے اس بار اپنے طور پر انتخابی کوشش کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ صوبے میں تمام بڑی سیاسی جماعتوں کے ساتھ ساتھ کئی مسلم تنظیمیں بھی انتخابی تال ٹھوکتے نظر آرہی ہیں-اس سلسلے میں سیاسی مسلم لیڈران نے اپنا ایک "اتحاد فرنٹ" بھی قائم کرلیا ہے، جس کے صدر محمد سلیمان کا کہنا ہے کہ: "اتر پردیش میں مسلمانوں کو جو نمائندگی ملنی چاہئے تھی، آزادی کے ۷۰ سال میں بھی نہیں ملی ہے. مرکزی دھارے کی پارٹیاں سیکولر ہونے کا دعوی تو کرتی ہیں، لیکن سیاست میں ہمیں حصہ نہیں دیتیں. اس سے ہمارے نوجوانوں میں بڑی بے چینی ہے. جس کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کا یہ فرنٹ انتخابات کے موقع پر سیاسی پارٹیوں سے اپنا حصہ مانگے گا"-

لیکن مسلم مذہبی رہنماؤں کا ایک دوراندیش طبقہ اسلام اور مسلم کے نام پر (یعنی مذہب کے نام پر) پارٹی بنانے کا مخالف ہے. ان کا موقف یہ ہے کہ اگر ملک میں ۱۴ فیصد آبادی والے (یعنی مسلمان) اپنے مذہب کی پارٹی بنائیں گے تو پھر ۸۶ فیصد آبادی والے بھی ان کے خلاف بنا سکتے ہیں. یہ مذہب کے نام پر ہندوستان کو تقسیم کرنے کی سیاست ہوگی-

دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ سیاسی مسلم لیڈران مسلمانوں کو جمہوریت، قومی یکجہتی اور سیکولرازم کا بھی درس دینے لگے ہیں- دوسری قوموں اور مذاہب کے لوگوں کو ملانے کی بھی بھرپور کوششیں کررہے ہیں-علما کونسل نے لکھنو سے ایک ہندو امیدوار کو میدان میں اتارا ہے- اس کے علاوہ دو دلتوں کو بھی اپنا امیدوار قرار دیا ہے- جمہوری نقطہ نظر سے اگرچہ یہ ایک خوش آئند اقدام ہے لیکن طرفہ تماشا یہ ہے کہ انہی میں وہ علما بھی ہیں جن کے مذہبی اکابر کی کتابوں میں جمہوریت، قومی یکجہتی اور سیکولرازم کے خلاف صریح فتاویٰ اور دیگر تحریریں موجود ہیں- ان کتابوں کے مطابق سیکولر قومی ریاستوں کا جدید نظام، جس میں ریپبلکن اور ڈیموکریٹک دونوں ہی شامل ہیں، آج پوری دنیا میں اسلامی خلافت کی جگہ اس کا ایک غیر حقیقی اور غلط متبادل نظام پیش کر رہا ہے-

دور حاضر میں ان فتاویٰ کا مفاد یہ ہے کہ آج جب مسلمان جدید سیکولر ریاستوں کی سیاست میں حصہ لیتے ہیں، یا ان کے الیکشن میں ووٹ دیتے ہیں، یا 'نام نہاد' اسلامی جماعتیں بنا کر وہاں الیکشن لڑتے ہیں، یا منتخب لیڈر، جیسے وزیراعظم، صدر مملکت، امیر، مقننہ، دستورو آئین وغیرہ کی اتباع کو اپنے اوپر لازم کرلیتے ہیں، تو اس طرح وہ اسلامی خلافت کی جگہ اس کے غیر حقیقی متبادل نظام حکومت کو قانونی جواز فراہم کردیتے ہیں۔ ڈاکٹر خالد حامدی کے رسالہ "اللہ کی پکار" میں یہ بات متعدّد بار اداریتی صفحات میں لکھی ہوئی ہے-

اس کے برعکس برصغیر کے عظیم اسلامی مفکر ڈاکٹر محمد اقبال کی فکر، جو کہ ان کی سب سے اہم تحقیقی کتاب میں مذکور ہے، جدید سیکولر ریاستی نظام سے مکمل طور پر اتفاق کرتی ہے-اس موضوع سے متعلق ان کی فکر کا لب لباب یہ ہے کہ:

"اسلام کی روح کے مطابق خلافت یا امامت کو افراد کے مجموعہ یا کسی منتخب اسمبلی کو تفویض کیا جاسکتا ہے"-

"The Reconstruction of Religious Though in Islam"

" اسلام میں مذہبی فکر کی تعمیر نو"، محمد اقبال، اسلام میں مذہبی فکر کی تعمیر نو آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، لندن، ۱۹۳۴، باب ۶، صفحہ ۱۴۹

اتر پردیش میں نیتا تو بہت ہیں مگر سچے قائد کم اور بے وزن ہیں

از: مہدی حسن عینی رائے بریلوی

عرصہ سے بڑی خاموشی کے ساتھ اتر پردیش کی سیاست کا اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا، حتیٰ کہ جب مسلم لیبل لگی ہوئی پارٹیوں کا انضمام و اخراج کا سلسلہ شروع ہو گیا تو قلم کو جنبش دینا مجبوری بن گئی۔ یہ بات تو مسلم ہے کہ بھارت اب ایک ارب ۲۵/ کروڑ کی آبادی کا ملک ہی نہیں بلکہ اس دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کا دعوے دار بھی ہے۔ گو اس کے آئین کی بنیادیں بھی سیکولرازم پر ہی قائم ہیں مگر انتخابی کھیل نے سیاست کو مفاداتی گروہوں، پس ماندہ قوموں اور اقلیتوں کے حقوق کی جدوجہد میں تبدیل اور تقسیم کر دیا ہے۔

جہاں ہندو قوم پرستی کا غلبہ بھی نمایاں ہو رہا ہو وہاں سماج کی سیاسی تقسیم کو کوئی نہیں روک رہا ہے، مگر یہ بھی سچ ہے کہ کچھ قوتیں ابھی تک سیکولرازم کو بھارت کا مستقبل سمجھتی ہیں، مگر مسلمانوں کا سیاسی حوالے سے بہت برا حال ہے۔ مسلم جماعتوں میں نہ اتحاد ہے اور نہ ہی کوئی حکمت عملی، ۲۰/ کروڑ آبادی کی طاقت رکھنے والے مسلمانوں کی طاقت اور آواز اس لیے دب رہی ہے کہ آبادی تو تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے، مگر پارلیمنٹ میں ان کی تعداد تیزی سے روبہ زوال ہے، کسی تجزیہ کرنے والے کو اس سے کبھی اعتراض نہ ہوگا کہ انتخاب کے عمل میں مسلمان جس جماعت کی طرف رخ کرتے ہیں وہ جماعت اپنے سر پر حکمرانی کا تاج رکھنے کے قابل ہو جاتی ہے، لیکن اس سے کہیں زیادہ حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ پارلیمنٹ میں مسلم ممبران کی تعداد نا کے برابر ہے، لوک سبھا کے اعداد و شمار تو انتہائی تکلیف دہ ہیں، بالخصوص اس مرتبہ تو مسلم ممبران کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہے، لیکن بات اگر کریں ہندوستان کے سب سے بڑے صوبہ اتر پردیش کی جو ملک بھر میں ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتا ہے، اتر پردیش کا اسمبلی الیکشن ہندوستان کی سیاست میں کافی اہمیت کا حامل ہے، اس کے ساتھ ہی ملک بھر کے مسلمانوں اور سیکولر لوگوں کے لیے بڑی آزمائش کا مقام بھی رکھتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ ان کا ایک بھی ووٹ ضائع نہ ہو اور ذات، مسلک اور کچھ ذاتی فائدے کی بنیاد پر ان کے ووٹ نہ بٹنے پائیں۔ غور طلب ہے کہ اتر پردیش میں مسلمانوں کی تعداد سرکاری سروے کے مطابق تقریباً ۱۹/ فی صد اور غیر سرکاری تنظیموں کے مطابق ۲۲/ فیصد ہے، یہاں ۸۰ پارلیمانی حلقوں میں سے ۵۳/ اور ۴۰۳/ اسمبلی میں سے ۳۱۲ حلقے ایسے ہیں جہاں ان کا اثر و رسوخ ہے اور ان میں کم سے کم ۲۰۹/ اسمبلی حلقے ایسے ہیں جہاں مسلمان اپنی پسند کے مطابق زیادہ سے زیادہ مسلم ممبران اسمبلی میں بھیج سکتے ہیں، جس سے ان کی من پسند حکومت تشکیل دی جا سکتی ہے، لیکن صد افسوس مسلم سیاسی قیادت تو والنثیر پر ہے، آج کی تاریخ میں مسلمانوں میں نیتا تو ضرور ہیں لیکن ان میں کوئی ان کا لیڈر نہیں بن پاتا ہے، اس بنا پر پنچایت سے لے کر اسمبلی و پارلیمنٹ تک مسلم نمائندگی میں کافی کمی آئی ہے۔

اس مرتبہ کی اتر پردیش اسمبلی انتخاب میں سماج وادی پارٹی، بی ایس پی، کانگریس اور بھاجپا کے ساتھ مسلم پارٹیاں بھی زور آزمائی کریں گی، بالعموم یہاں کے مسلمانوں میں بھاجپا کے مقابلے سیکولر امیدواروں کو حمایت کرنے کی حکمت عملی رہی ہے، تاہم مسلمانوں کا ووٹ زیادہ تر سماج وادی پارٹی اور بی ایس پی کو جاتا رہا ہے، گذشتہ اسمبلی الیکشن میں مسلمانوں نے کھل کر سماج وادی پارٹی کا ساتھ دیا تھا لیکن آج تک ان کے مسائل جوں کے توں ہیں، اکھلیش یادو فرقہ وارانہ فساد پر قابو پانے میں ناکام ثابت ہوئے ہیں، اس کے علاوہ ان کے بنیادی مسائل پر موجودہ حکومت نے بالکل ہی توجہ نہیں دی ہے، انتخابی منشور کے وعدوں پر عمل بھی ابھی صفر ہے، جس کی وجہ سے اس مرتبہ مسلمان ان سے بے زار ہیں، دوسری طرف بی ایس پی کے ماضی کے طرز عمل کو دیکھتے ہوئے یہ اندیشہ بھی رہتا ہے کہ کہیں وہ بھاجپا کے ساتھ ساز باز نہ کر لے، حالاں کہ گذشتہ کچھ سالوں سے کئی مسلم پارٹیاں بھی میدان میں خم ٹھونک کر کھڑی ہو گئی ہیں، ان میں پیس پارٹی، علما کونسل، مسلم مجلس، پرچم پارٹی، اتحاد ملت پارٹی اور ویلفیئر پارٹی کے علاوہ اس مرتبہ مجلس اتحاد المسلمین کا نام اہم ہے۔

ظاہر ہے عین الیکشن کے وقت منظرِ عام پر آنے والی پارٹیوں سے مسلمانوں کا کچھ بھلا ہو یا نہ ہو لیکن بھجپا کا بھلا ضرور ہو جائے گا، اس وجہ سے کہ مسلم رہنماؤں کا نام بھاجپا کے ایجنٹ کے طور پر لیا جاتا ہے۔ اسی لیے کہا جا رہا ہے کہ اس مرتبہ اتر پردیش اسمبلی الیکشن مسلمانوں کے لیے نہایت اہم اور آزمائش کن ہے، بغیر حکمت عملی کے ایک قدم بھی آگ میں کودنے کے مترادف ہو سکتا ہے، جہاں تک بات روڈ میپ کی ہے تو تو اگر بہار کے نقش قدم پر کانگریس دوسری سیکولر پورٹیوں کے ساتھ مل کر انتخاب کی تیاری کرے تو یوپی کا نقشہ کچھ اور ہی ہوگا، ایک بات تو طے ہے کہ اس بنا پر کم سے کم مسلمانوں کا ووٹ صرف سیکولر محاذ کی جانب جائے گا اور ان کا حشر لوک سبھا جیسا نہیں ہوگا، ظاہر سی بات ہے پچھلی بار مسلمانوں کے انتشار کا سیدھا فائدہ بھاجپا اور اس کے اتحادیوں کو ہوا تھا اور سیکولر پارٹیوں کی ہوا نکل گئی، اب آئندہ اسمبلی انتخاب میں بھی بھاجپا یہی چاہتی ہے کہ سیکولر اور مسلم ووٹوں کو منتشر کیا جائے، دوسری صورت یہ بھی ہے کہ مسلم پارٹیوں کو ایک متحدہ پلیٹ فارم پر متحد کیا جائے اور انھیں لے کر کانگریس اور بہوجن پارٹی کے ساتھ ایک مہا گٹھ بندھن کی تیاری کی جائے، اس طرح مسلمانوں کا ووٹ صد فی صد ایک طرف ہو جائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت مسلمان ملائم سنگھ اور ان کی حکومت سے بالکل ناراض ہیں، اس سمت میں ڈاکٹر ایوب، اور اسد الدین اویسی تنہا تنہا کوشش کر رہے ہیں، جس کا کوئی بھی فائدہ نہیں ہو سکتا، اگر مل کر لائحۂ عمل بنا کر سیکولر مہا گٹھ بندھن بنا لیا جائے تو امید ہے کہ یہ الیکشن مسلمانوں کے حق میں حوصلہ افزا ہو گا کیوں کہ اگر ۲۰۱۲ء کے اسمبلی انتخاب کا جائزہ لیں تو اس میں کل ۶۷ مسلم ممبران اسمبلی منتخب ہوئے تھے، جب کہ دوسرے نمبر پر رہنے والوں میں ۶۳؍ امیدوار مسلم تھے، یعنی ۱۳۰؍ لوگ اسمبلی پہنچنے کی ریس میں تھے جن میں کچھ ایسے امیدوار بھی تھے جو چند سو ووٹوں سے ہی ناکام رہے تھے، اس مرتبہ اگر مسلم ووٹرس اور قائدین کوئی حکمت کی راہ اختیار کریں تو انھیں ایسی ناکامی کا سامنا نہیں ہوگا اور اس طرح کم از کم ۱۰۰؍ مسلم امیدواروں کو ممبر اسمبلی بنایا جا سکتا ہے، کیوں کہ اتر پردیش اسمبلی میں مسلمانوں کی تعداد ۱۰۵ سے ۱۱۵ تک ہو سکتی ہے، واضح رہے کہ ۲۰۱۲ کے الیکشن میں رام پور میں مسلمان ۵۲ فیصد، میرٹھ میں ۵۳ فیصد، مراد آباد میں ۴۶؍ فیصد، امروہہ میں ۴۴؍ فیصد، بجنور میں ۴۲؍ فیصد، کیرانہ میں ۳۹؍ فیصد، مظفر نگر میں ۳۸؍ فیصد، سنبھل میں ۳۶؍ فیصد، بریلی میں ۲۵؍ فیصد، سرسوتی میں ۲۳، جون پور میں ۲۱، بدایوں، علی گڑھ، اعظم گڑھ، سیتا پور، کھیری، ڈومریا میں ۲۰؍ فیصد جب کہ فرخ آباد، سلطان پور، وارانسی، غازی پور، گھوسی میں ۱۸، ۱۹؍ فیصد مسلمان بستے ہیں، ان کا ووٹ بٹ گیا اور وہ اپنی پسند کا امیدوار نہیں چن سکے۔

گذشتہ انتخاب میں سماج وادی پارٹی، بہوجن سماج پارٹی اور کانگریس تینوں پارٹیوں نے خود کو مسلمانوں کا ہمدرد اور بھاجپا کو مسلم دشمن گردانا تھا، اب بھی یہ تینوں خود کو مسلمانوں کے ووٹوں کا سب سے زیادہ حقدار مانتی ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ آج کی تاریخ میں وہ مسلمانوں کے محافظ ہیں، یہی دعویٰ ہی مسلمان اور سیکولر ووٹوں کے بٹوارے کا سبب بنا تھا، جس کا فائدہ بھاجپا کو ملا تھا۔ سروے رپورٹ کے مطابق جہاں مسلمانوں کی آبادی ۲۰؍ فیصد سے ۳۵؍ فیصد ہے وہاں کے مسلم رائے دہندگان اپنی پسند کے امیدوار کو منتخب کرنے میں ناکام رہے ہیں، کیوں کہ انتخاب سے قبل انھوں نے متحدہ حکمت عملی تیار کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں لی تھی اور نہ ہی ووٹروں کی رہنمائی کی طرف کسی پارٹی نے توجہ دی تھی، اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ ٹکٹ لینے والے اور ان کے حامی بھی صرف یہ نہ سوچیں کہ انھیں ذاتی طور پر جیتنا یا کسی کو جتوانا کافی اور لازمی ہے، بلکہ یہ سوچیں کہ ملت کی جیت کس لائحۂ عمل میں ہے، اس کے ساتھ ہی ملک کے باقی صوبہ کے لوگوں کے لیے بھی اتر پردیش کو اس کے اپنے حال پر چھوڑ دینا نامناسب ہوگا، یہ ملک کے لیے بہتر نہیں ہوگا، بلکہ انھیں بھی ان کے درمیان اتحاد کا کوئی راستہ نکالنا چاہیے، اسی سے مثبت فرق پڑنے کی امید ہے، جس طرح دہلی اور بہار کے مسلمانوں نے متحد ہو کر بھاجپا کے خلاف زیادہ سے زیادہ ووٹ دے کر سیکولر پارٹیوں کو کامیاب بنایا تھا، اسی طرح کی مثال اتر پردیش کے لوگوں کو بھی قائم کرنی ہوگی، تبھی سیکولرزم کی جیت اور فاشزم کی شکست ہوگی، ورنہ منوودیوں کے ناپاک ارادے ۲۰۱۷ء میں کچھ بھی گل کھلا سکتے ہیں، اس لیے ذاتی مفادات کو قربان کر کے علما اور دانش وران ملت کو مل کر اتر پردیش کے مسلمانوں کے لیے ایک متحدہ حکمت عملی کا اعلان کرنا چاہیے اور اس سے پہلے سیکولر نواز و مسلم نواز پارٹیوں کا اتحاد کروا کے ان سے بند کمرے میں مفاہمت نہیں بلکہ کھلم کھلا معاہدہ کرنا ہوگا۔ ☆

نقد و نظر

نام کتاب	:	آفتاب برآمد (فارسی) حمدیں، نعتیں، مناقب اور تہنیت نامے
شاعر	:	ڈاکٹر سید شاہ شمیم احمد گوہر قادری ابو العلائی سجادہ نشیں خانقاہ حلیمیہ ابوالعلائیہ، الہ آباد
زیر اہتمام	:	سید حیات احمد ارمان، سید عدنان احمد بابر
تاریخ اشاعت	:	فروری ۲۰۱۶ء
صفحات	:	۱۳۶ قیمت: ۲۰۰/ روپے
ملنے کا پتہ	:	سید حیات احمد، خانقاہ حلیمیہ ابوالعلائیہ نیا حجرہ، 183/127، الہ آباد (یوپی)
مبصر	:	مبارک حسین مصباحی

محترم المقام حضرت مولانا ڈاکٹر سید شاہ شمیم احمد گوہر بلند پایہ روحانی بزرگ ہیں۔ ہندوستانی اہلِ سنت کا ایک طبقہ آپ سے وابستہ ہے۔ آپ بلند پایہ اردو اور فارسی کے شاعر ہیں، قابلِ ذکر نثر نگار اور اصنافِ ادب کی مختلف جہتوں پر لکھتے ہیں، عشق و عرفان میں بھی اپنی ایک منفرد شناخت رکھتے ہیں۔ آپ کی نثری تحریروں میں طنز و مزاح کے جوہر نمایاں ہوتے ہیں۔ اکتوبر ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۳ء تک آپ نے ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کے مدیرِ اعلیٰ کی حیثیت سے بھی خدمت انجام دی، آپ کے عہد میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے اس ترجمان میں ادبی رنگ غالب رہتا تھا۔ آپ نے ۱۹۸۲ء میں مجاہدِ ملت نمبر نکالا۔ بعمر ۲۰/ برس ۱۹۷۲ء میں جامعہ اشرفیہ سے فضیلت کی سند حاصل کی، جلالۃ العلم حافظ ملت حضرت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی قدس سرہ العزیز اور دیگر اساتذہ سے بڑے گہرے روابط تھے۔ ۱۹۸۵ء میں جب ہم حصولِ تعلیم کے لیے جامعہ اشرفیہ میں داخل ہوئے تو آپ کے تذکار خیر ہوتے تھے، مگر اب لگتا ہے کہ کثرت مصروفیت کی وجہ سے تعلق کچھ کم ہو گیا ہے۔ جہاں تک ہمارا خیال ہے، امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز سے متعلق لکھنؤ کے ایک سیمینار میں ان کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تھا۔ آپ کی متعدّد کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں، مقبولیت اور ایوارڈس سے بھی سرفراز ہو چکی ہیں۔ آپ نے نعتیہ شاعری کے فروغ کے حوالے سے بھی اہم کارنامے انجام دیے ہیں، ان اوصاف و کمالات کے ساتھ آپ خاندانِ مصطفےٰ ﷺ کے فردِ فرید ہیں۔

آپ کے مورثِ اعلیٰ حضرت سید شاہ مہر علی قادری علیہ الرحمۃ کوپا ضلع پٹنہ بہار میں مقیم تھے، پہلی شادی کے بعد حضرت سید شاہ سعید القادری پیدا ہوئے، یہ فرزند ارجمند اپنے عہد میں مرشد طریقت، عالم اور حکیم تھے، آپ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا سید شاہ عبد الرشید قادری عظیم آبادی ہیں۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کے بعد حفظِ قرآن عظیم کوپا ہی میں کیا، مدرسہ حنفیہ پٹنہ، احسن المدارس کان پور میں تعلیم حاصل کی، آخر میں بریلی شریف امام احمد رضا محدث بریلوی کی درس گاہ میں ۱۳۲۳ھ میں بخاری شریف کی تکمیل فرمائی اور سب سے پہلے سندِ فضیلت سے سرفراز ہوئے، آپ کے ہم جماعت علما میں ملک العلما حضرت مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ بھی تھے۔

فراغت کے بعد متعدّد سال تک آپ بریلی شریف کے رضوی دار الافتا سے منسلک رہے اور فتویٰ نویسی کی خدمت انجام دی۔ ۱۳۲۹ھ میں آپ اپنے وطن پٹنہ واپس ہوئے اور مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں بحیثیت مدرسِ اعلیٰ آپ کا تقرر ہوا، زندگی کے آخری ایام تک اسی ادارے میں خدمت انجام دیتے رہے۔ ۱۷/ دسمبر ۱۹۳۸ء میں آپ کا وصالِ پر ملال ہوا اور حضرت ملک العلما نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

آپ کے منجھلے فرزند ارجمند سید السادات عزیز العلما حضرت الحاج حکیم سید شاہ عزیز احمد حلیمی ابو العلائی ۱۹۴۳ء میں اپنے ماموں جان حضرت مولانا سید شاہ عبد الحلیم اکبری ابو العلائی (م: فروری ۱۹۵۰ء) سجادہ نشیں خانقاہ ابوالعلائیہ الہ آباد کی بارگاہ میں آ گئے، الہ آباد پہنچ کر بھی آپ نے اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھا۔ ۱۹۴۸ء میں اپنی لختِ جگر سے عقد کر دیا اور آپ کو اجازت و خلافت سے نوازتے ہوئے خانقاہ ابوالعلائیہ کا سجادہ نشیں بنا دیا۔ ۱۹۴۷ء میں آپ نے یونانی طبیہ کالج الہ آباد سے بی. آئی. ایم. ایس. کی ڈگری حاصل کی اور سجادہ نشینی کے بعد دہرہ دون گئے، وہاں دو سال رہ کر "فیزیو تھیروپی" کا کورس مکمل کیا، اس کے بعد بریلی شریف میں چند ماہ رہ کر درس نظامی کی تکمیل کی اور سندِ فضیلت حاصل کی۔

آپ نے زندگی بھر دین و سنیت کی اہم خدمات انجام دیں۔ ۲۲/ شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ/ ۲۷/ ستمبر ۲۰۰۵ء کو بروز سہ شنبہ دو پہر ایک بج کر ۳۵/ منٹ پر آپ کا وصالِ پر ملال ہو گیا۔

حضرت شاعرِ محترم نے الہ آباد میں تعلیم حاصل کی، آپ نے ۱۳/

سال کی عمر سے ۱۶ر سال کی عمر تک حضرت مولانا علی شیر فاطمی علیہ الرحمۃ سے فارسی زبان و ادب پڑھا، یہ سلسلۂ تعلیم ۱۹۶۶ء تک بحسن و خوبی جاری رہا، حضرت فاطمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"میرے اس جذبۂ والہانہ اور پرخلوص ہمدردی کی قدر بہت کم بچے کر سکے، میں تم سے بہت خوش اور مطمئن ہوں کہ تم میرے ساتھ کافی دنوں تک خیر وعافیت سے جڑے رہے۔" (ص:۱۰)

حضرت شاعر محترم اپنے تعلق سے فرماتے ہیں:

"اس (فارسی تعلیم کے) دوران اچانک شعر وشاعری کا ذوق ظاہر ہونے لگا اردو اشعار کے علاوہ فارسی اشعار کہنے کی جسارت کر بیٹھا، میں نے استاذ گرامی کو دکھایا تو چونک پڑے اور حیرت و استعجاب ظاہر کرتے ہوئے بلند آواز میں فرمانے لگے "ارے شمیم تم نے فارسی میں اشعار کہے، کیا تم فارسی میں بھی اشعار کہہ سکتے ہو؟" میں نے عرض کیا: "یہ آپ ہی کا کرم ہے اور آپ ہی کے کرم سے مالا مال ہوتا جارہا ہوں"۔ اس سلسلۂ ذوق پر میں نے کبھی جمود نہیں طاری ہونے دیا۔" (آفتاب برآمد، ص:۱۰)

اس وقت ہمارے سامنے آپ کا فارسی مجموعۂ شاعری "آفتاب برآمد" ہے۔ آپ نے اپنی کتاب کا آغاز اس شعر سے کیا ہے۔

چند جذباتِ دروں پیشِ زمانہ کردم
گرچہ من لائقِ ایں خیر نہ گاہے بودم

یعنی آپ نے اپنی انکساری کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہا کہ چند قلبی جذبات وخیالات ہم نے زمانے کے سامنے پیش کیے ہیں، اگرچہ میں اس بھلے کام کے لیے کبھی اہلیت نہیں رکھتا تھا، یہ آپ کے فکر وفن کی بلندی ہے کہ فارسی زبان کے شاعر ہونے کے باوجود آپ عجز وانکسار کا اظہار فرما رہے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے باری تعالیٰ جل مجدہ کی بارگاہ عالی جاہ میں تین حمدیں پیش کی ہیں، پہلی حمد کے تین اشعار ذیل میں دیکھیے۔

دولتِ بیکراں عطا کردی
عشقِ شاہِ شہاں عطا کردی

اے اللہ تعالیٰ! تونے ہمیں تمام نعمتوں کی اصل یعنی تمام شاہوں کے شاہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عشق کر دیا، بلاشبہ ایک بندے کے پاس دولت واقتدار، علم وحکمت کے خزانے بہت کچھ ہو سکتے ہیں اور اگر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی اور ان سے عشق ومحبت نہیں تو کچھ بھی نہیں، یہی وہ ذاتِ کریم ہے جو قبر وحشر میں جلوہ نما ہو گی اور میدانِ محشر میں انھیں کے سرِ اقدس پر شفاعت کبریٰ کا تاج رکھا ہو گا، اگر بندہ کو اس مشکل وقت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہو گئی تو بلاشبہہ فضلِ الٰہی بھی اس کا مقدر بنے گا، انشاء اللہ تعالیٰ، عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقبولیت ایک بندۂ مومن کے لیے دونوں جہاں کی نعمتوں سے بلند ترین ہے۔

جلوۂ کبریائی ہر جانب
اہلِ حق را اماں عطا کر دی

یہ شعر آج کے عہد میں جب ہر طرف دہشت گردی اور قتل و غارت گری کا ماحول ہے، امن وامان کی تلاش میں دنیا کے لاکھوں لوگ سرگرداں ہیں، ایک بندۂ مومن کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے جلوے ہر طرف موجود ہیں۔ ان کی تجلیات نے اہلِ حق یعنی اربابِ بصیرت اور صوفیاے کرام کو امن وامان عطا کر دی ہے۔ آپ ایک نظر پوری دنیا پر ڈالیں، دہشت گردی کے نام پر نام نہاد مسلمانوں کی جو تحریکیں ہیں وہی پریشان ہیں، مگر ان کا تعلق نہ اہلِ سنت وجماعت سے ہے اور نہ خانقاہوں اور صوفیاے کرام سے۔

دوسری حمد شریف کے دو شعر دیکھیے۔

ہمیشہ حمد و مناجات ایں زباں خواند
چرا بود نہ دلِ پر ضیائے من یارب

حضرت شاعر نے اس شعر میں عرض کیا: اے میرے رب! میری زبان ہر وقت حمد ومناجات میں مصروف رہتی ہے اور یہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ آپ ایک عالم ربانی اور صوفیِ باصفا ہیں، ایک تاریخی خانقاہ کے سجادہ نشیں ہونے کی حیثیت سے بلند پایہ مرشدِ طریقت ہیں، ان احوال میں اگر ان کا دل پر نور نہ ہو؟ کم از کم ایک بندۂ مومن کو اپنے خالق ومالک سے اس کی بھرپور امید رکھنا چاہیے۔

حضرت شاعر اپنے مولا تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں۔

خدا بہ تربتِ گوہر چراغِ دیں رخشند
بہ بارگاہِ تو ایں التجائے من یارب

اے ہمارے پروردگار! تیری بارگاہ میں یہ التجا اور دعا ہے کہ گوہر کی قبر پر دین کا چراغ روشن اور منور رہے۔ ایک بندۂ مومن کی یہ ایک بہت بڑی دعا ہے، اگر بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہو جائے تو دارین کی سعادتیں حاصل ہو جائیں۔

آپ نے حمدوں کے بعد سات عدد نعتیں بھی شامل کی ہیں۔ نعتوں کے اکثر اشعار سخن وری کی بلندیوں پر فائز ہیں، زبان و ادب اور

فکر و فن کا بھرپور لحاظ رکھا گیا ہے عشق و وارفتگی کا کیف بار منظر بھی اشعار میں بھرپور نظر آتا ہے، مقامِ مسرت ہے کہ آپ نے امام احمد رضا محدث بریلوی کے انداز میں صنعت مجوب میں بھی دو کلام شامل کیے ہیں، ہم ذیل میں چند اشعار بلا تبصرہ نقل کررہے ہیں۔

من رحمتك البركات لنا ھرباب کرم را وا جانا
تورے درشن کو تڑپت ہے جیا، بس ایک جھلک ہی دکھا جانا
فی القبر علیٰ عبدٍ أنظر ظلمت نہ رسد تا بدمہ و خور
پاپی کو نہ آیا پریت کا گر، مشکل کی گھڑی میں آجانا
الحَسَرَتُ فی قلبی خَجَلَت یکبار کنم دیدار درت
مورا جیرا دھڑکے رہت رہت، گوہر پہ کرم فرما جانا

سلسلۂ نعت کے بعد آپ کو چاہیے تھا کہ خلیفۂ اول حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، ان کے بعد خلیفۂ ثانی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مناقب لکھتے، مگر یہ ضروری نہیں ہے۔ پھر شاعر کا اپنا ایک مزاج اور ذوق ہوتا ہے۔ دنیا میں بہت سے ضروری کام بھی چھوٹ جاتے ہیں، یہ کوئی قابلِ اعتراض چیز نہیں ہے۔ موصوف نے "در مدح شیرِ خدا مولا علی کرم اللہ وجہہ" کلام لکھا ہے اور حق یہ ہے کہ بڑی حد تک حق ادا کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ ذیل میں چند اشعار بلا تبصرہ نقل کرتے ہیں۔

پیشوائے من علیؑ مرتضیٰ شیرِ خدا
بندۂ حق آشنا نزدِ خدا شیرِ خدا
من سگِ مولا علی از پارۂ ناں می خورم
در تہِ قلب و جگر جلوہ نما شیرِ خدا
در ردائے رحم و شفقت ایں خطا کارے را بپوش
گوہرِ عاصی کند ایں التجا شیرِ خدا

اس کے بعد آپ نے صحابۂ کرام، مشائخ عظام اور علمائے ربانیین کی مدح سرائی فرمائی ہے، ہم یہاں ممدوحین میں سے چند کے اسمائے گرامی پیش کرتے ہیں۔

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، حضرت امام عباس علم بردار رضی اللہ عنہ، حضرت غوث الاعظم بغدادی رضی اللہ عنہ، حضرت تمیم انصاری رضی اللہ عنہ، حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ عنہ، حضرت شاہ بدیع الدین زندہ شاہ مدار علیہ الرحمہ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ، صدر الافاضل حضرت سید شاہ محمد نعیم الدین مراد آبادی رضی اللہ عنہ، تلمیذ اعلیٰ حضرت سید شاہ عبد الرشید قادری علیہ الرحمہ، حضرت سید شاہ عبد اللہ اکبری ابوالعلائی علیہ الرحمہ، حضرت سید شاہ عبد الحلیم اکبری ابوالعلائی علیہ الرحمہ، سید العلما سید شاہ آلِ رسول برکاتی مارہروی علیہ الرحمہ، حضرت مجاہد ملت شاہ حبیب الرحمٰن قادری علیہ الرحمہ، حضرت حافظ ملت شاہ عبد العزیز قادری علیہ الرحمہ، حضرت علامہ شاہ علی شیر فاطمی علیہ الرحمہ، عزیز العلما علامہ الحاج سید شاہ عزیز احمد حلیمی ابوالعلائی علیہ الرحمہ وغیرہ۔

ہم نے یہ چند اسمائے گرامی پیش کیے ہیں، ممدوحین مشائخ کی ایک طویل فہرست ہے، موصوف نے بڑی دور اندیشی، نازک خیالی اور بڑے متوازن انداز میں منقبت نگاری فرمائی ہے۔

مناقب کے بعد غزلوں کو بھی جمع کیا ہے، غزل کے نام سے کسی کو حیرت نہیں ہونا چاہیے، عشقِ مجازی سے ہی ایک انسان عشقِ حقیقی تک پہنچتا ہے، موصوف صرف شاعر نہیں بلکہ زبردست مصباحی فاضل اور ایک عظیم خانقاہ کے سجادہ نشیں ہیں، ہمارے بے شمار مشائخ نے مختلف زبانوں میں غزلوں کا اہتمام فرمایا ہے۔

آخر میں حضرت نے اپنے فرزند ارجمند حضرت سید شاہ حیات احمد ارمان صاحب کے لیے شادی مبارک اور رسمِ خلافت و سجادگی کے تعلق سے تین تہنیت نامے تحریر فرمائے، آخری کلام "در مدح خانقاہ اولیا" ہے یہ فارسی اور ہندی رسم الخط میں ہے۔ آخری تحریر حضرت سید حیات احمد مد ظلہ العالی کی ہے، اس کا عنوان ہے "میرے اجدادِ گرامی علیہم الرحمہ اور والدِ گرامی" اس میں خانقاہ حلیمیہ ابوالعلائیہ الہ آباد کے مشائخ کرام اور اپنے والدِ گرامی ڈاکٹر سید شمیم گوہر دامت برکاتہم العالیہ کے تعلق سے تفصیل سے لکھا ہے۔

کتاب کے آغاز میں حضرت مصنف نے "نوائے آغاز" تحریر فرمایا ہے۔ حضرت مولانا مجاہد حسین مصباحی اور جناب سید عدنان احمد کی تحریریں بھی اہمیت کی حامل ہیں۔

مجموعی طور پر پوری کتاب عشق و عرفان سے لبریز اور شاعرانہ فکر و فن سے معمور ہے، خاص بات یہ ہے کہ اس کی زبان فارسی ہے۔ ہماری تبصرہ نگاری کی بنیادی وجہ بھی اس کی زبان ہے، جہاں تک مضامین و مفاہیم کی بات ہے، دنیا کا کوئی انسان اپنے کام کو کمزور نہیں سمجھتا، مگر دوسرے ناقدین کو بہت کچھ حق ہوتا ہے، جو یہاں بھی حاصل ہے۔ ۱۳۶/ صفحات کی قیمت ۲۰۰/ روپے کچھ زیادہ معلوم ہوتی ہے مگر ادبی کتابوں کے لیے یہ سب کچھ روا ہے ☆☆☆

منظومات

الحاج محمد یونسؔ انصاری مرحوم

نعتِ پاک

جو دے دوائے دل وہ مسیحا کہوں تجھے
مونس کہوں، یتیموں کا ماویٰ کہوں تجھے

اے نور تیرے نور سے پر نور ہے جہاں
لاکھوں سحر کا ایک سویرا کہوں تجھے

ماہِ مبین، دیں کے امیں، رحمتِ دوام
رازِ خفی کا جاننے والا کہوں تجھے

اتنا بلند تر ہے تو فکر و شعور سے
حیران ہوں کہ وصف میں کیا کیا کہوں تجھے

گھر آمنہ کا تجھ سے بنا روکشِ جناں
جنت نثار جس پہ وہ جلوہ کہوں تجھے

تو خادمِ رسول ہے، پھر کیوں نہ جبرئیل
پائے حبیبِ پاک کا صدقہ کہوں تجھے

تکمیلِ دین تجھ سے ہوئی آخر الزماں
حق کی بنا، محافظ کعبہ کہوں تجھے

تجھ سے سدا رہے گی معطر یہ کائنات
"باغِ خلیل کا گلِ زیبا کہوں تجھے"

یونسؔ نگاہِ فیض سے سرشار ہو گیا
کتنا کرم شعار میں داتا کہوں تجھے

نعتِ پاک

یہ پوچھو جا کے ان کے در سے صدقہ پانے والوں سے
نرالی شان رکھتے ہیں وہ دنیا میں نرالوں سے

نبی کے دامنِ اقدس کے سائے میں جو پلتے ہیں
کبھی وہ خوف کھا سکتے نہیں نیزوں سے، ڈھالوں سے

شفاعت کے سخاوت کے شجاعت کے گہر برسے
گھٹا رحمت کی جب اٹھی شہِ بطحا کے بالوں سے

جو عشقِ مصطفیٰ میں خود سے ہو جاتے ہیں بیگانے
قدم ان کے رُکا کرتے نہیں قدموں کے چھالوں سے

شفق سے، گل سے خوشبو سے نہ جنت کی بہاروں سے
شگفتہ دل کا گلشن ہو گیا ان کے خیالوں سے

قدم جس دم شہِ بطحا نے رکھا فرشِ گیتی پر
منور ہو گئی دنیا ہدایت کے اجالوں سے

ہمیشہ سرورِ کونین کی محفل سجاتے ہیں
یہ کوئی پوچھ لے یونسؔ محبت کرنے والوں سے

منقبت

جہاں میں حافظِ ملت کا ہر کردار زندہ ہے
بشکلِ جامعہ اسلام کا شہکار زندہ ہے

مفکر اور محدث اور مصنف آپ پر قرباں
شعور و آگہی کا آپ سے مینار زندہ ہے

پلٹ کر آن میں رکھ دے جو نقشہ رزم گاہوں کا
ہماری قوم کے ہاتھوں میں وہ تلوار زندہ ہے

کریں گے خونِ دل سے آبیاری جامعہ کی ہم
عزیزی کارواں کا جذبۂ ایثار زندہ ہے

یہ ہے گنجینۂ علم و ہدایت کا حسیں صدقہ
اسی چادر میں عشقِ احمدِ مختار زندہ ہے

عیادت کے لیے آئے صبا لے کر تری خوشبو
تمنا بس یہی لے کر ترا بیمار زندہ ہے

جہاں پر جھوم کے ہوتی ہے علم و فیض کی بارش
وہ ایوانِ طریقت، قادری دربار زندہ ہے

عزیزی، امجدی، رضوی و برکاتی کرم ہے جو
مکمل اہلِ سنت کا حسیں معیار زندہ ہے

یقیناً ہوگی تعمیر و ترقی اس ادارے کی
ابی عبد الحفیظ اس قوم کا سردار زندہ ہے

نہ کیوں عزمِ مصمم پر فرشتے ناز فرمائیں
تری کشتی سروں پر لینے کو منجدھار زندہ ہے

ملا صدقہ ترے جود و سخا کا جب سے یونسؔ کو
زمانے میں وہ بن کے شاعر و فنکار زندہ ہے

نعتِ پاک

ہیں کرم فرما نبی سارے زمانے کے لیے
اہلِ عالم کا مقدر جگمگانے کے لیے

اللہ اللہ فیضِ آقا، ضوفشاں ہے، جلوہ گر   ان کے در پہ وہ بھی جا کے ہو گیا ہے تاجور
جو ترستا تھا جہاں میں دانے دانے کے لیے

نیک انساں کی علامت الفتِ سرکار ہے   وہ اگر راضی نہیں تو ہر عمل بیکار ہے
شرط ہے ان کی رضا جنت میں جانے کے لیے

مدحتِ سرکار میں کٹ جائے یارب زندگی   عمر بھر یونسؔ رقم کرتا رہے نعتِ نبی
قلب میں ایماں کی تابش جگمگانے کے لیے

صدائے بازگشت

تمام سنی مسلمانوں کو ماہ نامہ اشرفیہ پڑھنا چاہیے

مکرمی و محترمی.................. سلام مسنون

الحمدللہ! ادارے کی جانب سے شائع ہونے والا ماہ نامہ اشرفیہ کا میں پرانا قاری ہوں، مجھے یہ رسالہ بہت ہی پسند ہے۔ اس میں قرآن وحدیث کی تفاسیر وترجمے کے ساتھ مختلف موضوعات پر مشتمل مضامین پڑھنے کو ملتے ہیں۔ اسلامی کلچر کو سمجھنے کے لیے سنت کے حوالے سے بہترین مضامین بھی پڑھنے کو ملتے ہیں جو ہماری زندگی میں انقلاب برپا کرتا ہے اور حق وباطل کا شعور پیدا کرتا ہے۔ ہم تمام سنی مسلمانوں کو خاص طور سے اسے توجہ کے ساتھ پڑھنا لازمی ہے، جو ہمیں گمراہی کے راستے سے ہر پل بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے ذریعہ ملکی و بین الاقوامی خاص خاص خبریں بھی پڑھنے کو ملتی ہیں۔ سنیت کا پیکر اگر بننا چاہتے ہیں تو یہ رسالہ اپنے گھروں کی زینت بنائیے اور مع اہل وعیال ضرور مطالعہ کیجیے۔ اس کے ذریعہ نبی کریم ﷺ کی قربت کو پانے میں کافی حد تک کامیاب ہو سکتے ہیں، اس میں دل کی گہرائیوں میں اترنے والی نعتیں بھی موجود ہوتی ہیں، مراسلات کے ذریعہ بھی بہت ساری باتوں کا پتہ چلتا ہے۔ فقط

ڈاکٹر ابرار صادق، ضلع بھوج پور، بہار

اعلیٰ حضرت کے ایک شعر کی تشریح

مکرمی و محترمی.................. سلام مسنون

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی کہی ہوئی نعت کے ایک شعر

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

کی تشریح وتفہیم: "صبح طیبہ میں ہوئی" سے مراد حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی پیدائش مبارک و مسعود بالکل واضح ہے۔ "بٹتا ہے باڑا نور کا" سے مراد عالم ایجاد کی ہر شے بالخصوص عالم انسانیت کا آپ کے وجود مسعود سے فیضیاب ہونا، راہ ہدایت پانا ہے، یہ بھی کھلی ہوئی بات ہے۔ "صدقہ لینے نور کا" سے مراد حضور ﷺ کا صدقہ ہے، آپ ﷺ نور ہیں، جیسا کہ قرآن پاک کا ارشاد ہے "قد جاء کم من اللہ نور"۔

اب مذکورہ شعر کے مصرعۂ ثانی کا آخری ٹکڑا "آیا ہے تارا نور کا" یہ غور طلب ہے کہ من جانب اللہ جو نور آیا اس کا صدقہ لینے "آیا ہے تارا نور کا" میں کس کی طرف اشارہ ہے تو میں اپنے فہم ووجدان کے مطابق کچھ عرض کر رہا ہوں، صحیح اور غلط کا فیصلہ اہل علم حضرات پر منحصر ہے۔

(۱) مشہور و معروف روایت ہے کہ آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو ایسی روشنی نمودار ہوئی کہ ملک شام کے محلات نظر آئے، اس روشنی کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے، مگر اس کے متعلق کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ روشنی خود حضور ﷺ کے جسم پاک یا آپ کی ذات کی تھی اور صدقہ لینا آپ کی طرف منسوب ہو نہیں سکتا، حالاں کہ روایت میں روشنی کا ذکر مطلق ہے، کوئی تخصیص نہیں۔

(۲) یا وہ تارا مراد ہو سکتا ہے جسے عالم ایجاد کے وجود سے پہلے جبریل امین علیہ السلام نے ستر ستر ہزار سال پر بہتر ہزار مرتبہ دیکھا، حالاں کہ یہ تارا بھی عالم ایجاد میں ہے، مگر یہاں میری مراد اس کے بعد کے موجودات ہیں، مگر یہاں تو بات بالکل صریح اور صاف ہے کہ وہ تارا خود حضور ﷺ کا ہی نور تھا، جسے اللہ جل جلالہ نے سب سے پہلے اپنے نور سے تخلیق کیا، اس لیے صدقہ لینا اس تارے کی جانب بھی نہیں منسوب ہو سکتا۔

(۳) فرشتے بھی نوری مخلوق ہیں، اس لیے ممکن ہے کہ یہاں "تارا نور کا" سے مراد خود جبرئیل علیہ السلام ہوں یا اور کوئی فرشتہ

(۴) عثمان بن ابی العاص کی والدہ فاطمہ بنت عبد اللہ فرماتی ہیں کہ ولادت کی شب میں حضرت آمنہ کے پاس تھی، میں نے دیکھا ستارے لٹک آئے ہیں، زمین حرم سے اتنے قریب ہیں کہ لگتا تھا زمین پر گر جائیں گے۔ (تواریخ حبیب الٰہ)

یہ روایت "آیا ہے تارا نور کا" سے زیادہ اقرب ہے۔

(۵) قول حضور ﷺ ہے: "اول ما خلق اللہ نوری و کل خلائق اللہ من نوری" اس حدیث پاک کی روشنی میں یہ بات نظر آرہی ہے کہ تمام موجودات مخلوقات میں حضور ﷺ کی نوری نسبت موجود ہے تو یہاں "تارا نور کا" سے مراد خلائق اللہ میں سے کوئی بھی شے ہو سکتی ہے یا کل خلائق بھی۔

(۶) حضور ﷺ کا فرمان عالیشان ہے: "میرے صحابہ نور ہیں ستاروں کی مانند" اس قول حضور ﷺ کی روشنی میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "آیا ہے تارا نور کا" سے اشارہ یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا ہجرت کی شب بستر نبوی پر بے خطر سونے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ یا جنگ احد کے موقع پر حضور ﷺ کی طرف آنے والے تیروں کو

اپنے جسم پر روکنے والے حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "فداک ابی و امی" فرمایا، کی طرف ہو سکتا ہے، یا کسی اور صحابی کی طرف بھی یہ اشارہ ہو سکتا ہے۔

(۷) قرآن پاک کا اعلان عام ہے "وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا" اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو انھیں شمار نہ کر سکو گے۔ آخر کیوں شمار نہیں کر سکتے، اس لیے کہ عالم گذشتہ عالم موجودہ، عالم آئندہ کی تمام اشیا تک ہمارے علم کی رسائی ناممکن ہے، چاہے ہم کتنی ہی ٹیکنیکل ترقی کر لیں، کمپیوٹر ہی نہیں شمار کے لیے کوئی اور چیز بھی ایجاد کر لیں مگر شمار کرنا ناممکن ہی رہے گا، تو میں اب یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت کے مذکورہ شعر میں "آیا ہے تارا نور کا" محض تخیلاتی و تصوراتی ہو تو بھی کوئی احتجاج و اعتراض نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ جب تمام اشیا تک ہمارے علم کی رسائی ناممکن ہے تو انھیں بے شمار نامعلوم اشیا میں صدقہ لینے والا یہ تارا بھی ہو سکتا ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صدقہ بٹا، بٹ رہا ہے، بٹتا رہے گا، کب تک، معلوم نہیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے در کی سوالی عالم ایجاد کی ہر شے اور آپ کی احسان مند ہے۔

بے شمار لا معلوم اشیا کی جو بات گذری کہ کائنات عالم کی تمام اشیا تک ہمارے علم کی رسائی ناممکن ہے، جن میں کچھ تو تخلیق ہو چکی ہیں، مگر ہمیں علم نہیں اور بہت سی وہ جو ابھی پیدا نہیں ہوئیں، آئندہ پیدا ہونے والی ہیں، چناں چہ قرآن پاک کا ارشاد ہے: "وَّالْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۭ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝" اور گھوڑے اور خچر اور گدھے کہ ان پر سوار ہو اور زینت کے لیے اور وہ پیدا کرے گا جن کی تمھیں خبر نہیں۔

یہ بیان سواریوں کی ضمن میں ہے مگر "وَ يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ" کائنات عالم کے دیگر شعبوں کے لیے بھی حاوی ہے، چناں چہ ہم اکثر ایسے حشرات الارض کا مشاہدہ کرتے ہیں جو پہلے نہیں دیکھے گئے، یا کبھی کبھی فلک کے ستاروں میں ایسا تارا نظر آتا ہے جو پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا۔

انسانی مصنوعات بھی فی الحقیقت اللہ ہی کی تخلیق ہیں، اگر چودہ سو سال پہلے ریل گاڑی، موٹر کار، ہوائی جہاز کا ذکر ہوتا تو انسانی ذہن حیرانی کے عالم میں نہ سمجھ سکتا نہ قبول کر سکتا۔ ابھی ۱۹۷۷ء کی بات ہے کہ ایک ضعیف شخص جن کی عمر اس وقت ستر پچھتر سال کے قریب تھی، بیان کرتے تھے کہ ہم اپنے نانا کو چڑھاتے تھے اس بات سے کہ اے نانا انگریز ایسی مشین بنا لیے ہیں وہ لندن میں بیٹھ کر بولیں گے اور ہم یہاں سے سنیں گے تو نانا لاحول ولا قوۃ پڑھتے اور ہمیں چھڑی لے کر دوڑاتے، یعنی زیادہ سے زیادہ سوا سو سال یا ڈیڑھ سو سال پہلے کا یہ عالم تھا کہ ایک انسانی ذہن لندن سے بذریعہ مشین بولنا اور ہندوستان میں سننا قبول نہیں کر رہا تھا اور اس بات کو لادینیت بھی سمجھ رہا تھا اور آج کا کیا عالم ہے، ہم دیکھ رہے ہیں۔

اور جب ۱۹۶۰ء میں یہ خبر عام ہوئی کہ امریکہ کا انسان چاند پر پہنچ گیا تو اسلامی دنیا کے مذہبی فکر و مزاج کے لوگوں میں یہ بحث چھڑ گئی کہ جو اس بات کو یعنی انسان کا چاند پر پہنچنا مان لے گا دین سے خارج ہو جائے گا، تو اس وقت حضرت مفتی شریف الحق علیہ الرحمۃ نے "اسلام اور چاند کا سفر" نامی کتاب لکھ کر اس نظریے کا دفاع کیا، آیت قرآنی: "کل فی فلك یسبحون" سے ثابت کیا کہ کسی بھی ذریعہ سے انسان کا چاند پر پہنچنا ممکن ہے، ان مثالوں سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ہم بہت سی باتیں صرف لاعلمی کی وجہ سے ٹھکرا دیتے ہیں، جب کہ فی الواقع وہ حق ہوتی ہیں۔ لہٰذا

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

میری سمجھ کے مطابق صحیح و درست ہے۔ ہاں حتمی فیصلہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ ہی کر سکتے ہیں کہ ان کا اشارہ کس طرف ہے اور یہ میں لکھ چکا ہوں کہ اگر تخیل و تصور ہی ہو تو بھی اعتراض و احتجاج نہیں ہونا چاہیے۔

آخری بات! دنیا میں صرف ایک مسئلہ ایسا ہے کہ جس میں کوئی اختلاف نہیں، اس پر سب متفق ہیں، وہ ہے موت، یعنی مومن، مسلم، منافق، مشرک، منکر، ملحد بلا تفریق مذہب و ملت ہر کوئی یہ تسلیم کرتا ہے کہ ایک دن مرنا ضرور ہے باقی مرنے سے پہلے اور مرنے کے بعد کے مسائل میں اختلاف ہے، کچھ یا کسی بات پر ایک ہی مذہب والوں میں اختلاف ہے، ایک مسلک والوں میں اختلاف ہے تو میں اس خوش فہمی میں نہیں ہوں کہ میرا یہ عریضہ سب تسلیم کر لیں گے، بس میں نے ایک امتحانی پرچہ حل کیا ہے، اس لیے ذی علم حضرات سے مودبانہ مخلصانہ گذارش ہے کہ اگر اس پر شرعی گرفت ہو تو مجھے ضرور آگاہ کریں۔

کچھ رہے یا نہ رہے پر یہ دعا ہے کہ امیرؔ
آخری وقت سلامت میرا ایمان رہے

فقط۔ محمد خلیل مصباحی چشتی، عزیز نگر، مبارک پور

اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں

مکرمی و محترمی.................... سلام مسنون

کہتے ہیں کہ جسے جو کام سپرد کیا گیا ہے اور ذمہ داری دی گئی ہے اسے اپنے کام کے تئیں وفادار رہنا چاہیے، اس سے جہاں متعلقہ شخص کی

شخصیت میں چار چاند لگتا ہوا نظر آئے گا، وہیں اس محکمہ کا نام بھی روشن ہوگا۔ خیال رہے کہ تقریباً ۲۰؍سال قبل حکومت نے ریاست اتر پردیش کے تھانوں سمیت دیگر دفاتر میں مترجمینِ اردو کا تقرر کیا تھا، حکومت کے اس اہم کارنامے سے لوگ بے حد خوش تھے کہ چلیے کچھ تو اردو کے نام پر بھلا ہوا۔ مجھے یاد ہے تقریباً سات سال قبل پورندر پور تھانہ کے ایس او نے اپنے حلقہ میں پابندی عائد کردی تھی کہ جس کے اوپر این سی آر درج ہے وہ بھی الیکشن نہیں لڑ سکتا، اس میں کئی مسلم لیڈر حیران و پریشان تھے کہ ان کا بھی نام اس میں آرہا تھا۔ روزنامہ راشٹریہ سہارا گورکھ پور ایڈیشن میں جیسے ہی یہ خبر شائع ہوئی پولیس محکمہ میں کھلبلی مچ گئی، ڈی آئی جی گورکھ پور کے دفتر سے اردو سہارا کی شائع خبر کا حوالہ دیتے ہوئے سی او پھریندر دیویندر ناتھ دیویدی سے ایک ہفتہ کے اندر جواب طلب کیا گیا تھا کہ اس طرح سے غیر ذمہ دارانہ غیر منصفانہ کام کیوں انجام دیا جارہا ہے؟ سی او نے میرے پاس فون کرکے گھبرائے ہوئے انداز میں بتایا کہ ایس او کی ناسمجھی سے اس طرح کی بات کہی گئی ہے، میں اس کی تردید کرتا ہوں، انھوں نے کہا کہ ڈی آئی جی دفتر سے اردو اخبار کا ہندی میں ترجمہ کرکے مجھ سے جواب طلب کیا گیا ہے، برائے کرم ہماری طرف سے ایک وضاحتی بیان شائع کرا دیں تاکہ ہم ذلیل ہونے سے بچ جائیں۔

مذکورہ معاملہ کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوا کہ جو لوگ اردو کے نام پر روزی روٹی سے جڑے ہیں اگر وہ ایمان داری کے ساتھ اپنا کام انجام دیں تو بہت سے معاملات جو اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں سے جڑے ہیں پایۂ تکمیل کو پہنچتے ہوئے نظر آئیں گے۔ مجھے اس وقت بہت افسوس ہوا کہ جب ایک ہندی اخبار میں گورکھ پور کمشنری میں واقع تھانوں کی رپورٹ شائع ہوئی تھی، جس میں لکھا تھا کہ اردو بابو جو تھانوں میں تعینات ہیں اب ان کے ذمہ کوئی کام نہیں ہے، وہ صرف رشوت کی سیٹنگ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، اس خبر سے مجھے دلی تکلیف ہوئی۔ اس طرح جو لوگ سرکاری پرائمری اسکول میں اردو ٹیچر کی حیثیت سے تعینات ہیں اس میں سے ۹۵؍فی صد اساتذہ اردو کی تعلیم نہ دے کر دوسری زبانوں کے فروغ و ارتقا کے لیے اپنی توانائیاں صرف کر رہے ہیں، آخر اردو کے تئیں اس طرح کی ناانصافی کب تک ہوگی؟ ایسے لوگوں سے مودبانہ گذارش ہے کہ آپ نے جس زبان کی بدولت یہ بلندی حاصل کی ہے اس کے تئیں وفادار بننے کی کوشش کریں، جو لوگ آئی جی اور ڈی آئی جی سمیت دیگر اعلیٰ آفسوں میں تعینات ہیں انھیں چاہیے کہ کم از کم اردو اخبارات کا مطالعہ کرکے جو خبر اقلیتوں کے مسائل اور پریشانیوں سے متعلق ہے اس کی جانب اپنے آفیسروں کی توجہ مبذول کراتے ہوئے حلقہ کے تھانے دار یا سی او وغیرہ سے جواب طلب کروائیں، مجھے امید نہیں بلکہ یقین ہے کہ جس دن آپ نے یہ کام شروع کر دیا مسلمانوں کے بہت سے الجھے ہوئے مسائل آپ کی بدولت حل ہوتے ہوئے نظر آئیں گے۔ اردو اخبارات روزانہ ایسے معاملات کو اجاگر کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر افسوس اعلیٰ افسران تک پوری بات پہنچ نہیں پاتی اور برسوں بعد بھی معاملہ معلق ہی رہتا ہے۔ یقین جانیے اگر آپ اپنے کام میں وفاداری نہیں دکھائیں گے تو اللہ کے یہاں اس کا بھی جواب دینا ہوگا۔ علاوہ ازیں قوم نے بھی آپ سے امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں۔

از: نور الہدیٰ مصباحی، لکشمی پور، مہراج گنج

سوریہ نمسکار کا لزوم آئینِ ہند کی سراسر خلاف ورزی

مکرمی و محترمی.................... سلام مسنون

ہندوستان کی یہ خوبصورتی ہے کہ یہاں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی اور متعدّد مذاہب و مسالک کے ماننے والے آباد ہیں، جن کو اپنے مذہب و مسلک کی پابندی کا پورا اختیار حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ جہاں مسجدیں آباد ہیں وہیں مندر بھی، جہاں ملکی سطح پر ہولی منائی جاتی ہے وہیں عید بھی، لیکن گذشتہ چند برسوں سے بی جے پی، آر ایس ایس، وشو ہندو پریشد اور بجرنگ دل کے ذریعہ اس قومی یکجہتی کو شدید نقصان پہنچا ہے، یہی وجہ ہے کہ کبھی گئوکشی کے نام پر پورے ملک میں دہشت پھیلائی جاتی ہے جس کا سلسلہ بدستور جاری ہے، بی جے پی والی مہاراشٹر حکومت میں ابھی گذشتہ ۲۴؍اگست کو ممبئی میونسپل کارپوریشن کے سبھی میڈیم اسکولوں کے طلبہ کے لیے سوریہ نمسکار کو لازم قرار دیا گیا ہے، جو جمہوری ملک کے لیے انتہائی شرم کی بات ہے، وہیں آئینِ ہند کی سراسر خلاف ورزی بھی ہے۔۔

دراصل سوریہ نمسکار ایک طرح کی عبادت ہے جو سورج کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کی جاتی ہے۔ سوریہ نمسکار کا لزوم مسلم و غیر مسلم تمام طلبہ کے لیے ہے، جب کہ مذہب اسلام میں غیر خدا کی عبادت شرک ہے اور اللہ کی ذات میں کسی کو شریک ٹھہرانا کفر ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ صوبائی و مرکزی سرکار ایسے احکام کو فوراً منسوخ کرے جس سے کسی خاص طبقہ کی مذہبی آزادی چھینی جاتی ہو۔ وہیں مذہبی رہ نماؤں سے گذارش ہے کہ وہ ایسے معاملات میں آگے آئیں اور اپنے مسلکی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر ملکی پیمانے پر تحریک چلائیں تاکہ دوبارہ کسی بھی وجہ میں ایسی مذموم حرکت نہ کی جائے۔

از: محمد قمر رضا در بھنگوی متعلّم الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

وفیات

قائدِ اہلِ سنت علامہ سید محمد اشرف اندرانی کا وصال پرملال

بڑے افسوس کی خبر ہے کہ جنت نشاں کشمیر کے قائد اہلِ سنت حضرت علامہ سید محمد اشرف اندرابی ۵/ ذیقعدہ ۱۴۳۷ھ/۹/ اگست بروز منگل ۱/بج کر۱۵/منٹ پر اس جہانِ فانی سے رخصت فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجون

راقم سطور مبارک حسین مصباحی نے شاید تین بار ان کی زیارت کی، دو بار ان کے ادارے دار العلوم شاہ ہمدان پانپور میں اور ایک بار سری نگر کشمیر میں، ان سے ملاقات کا سبب تبلیغی دورے تھے، سری نگر کشمیر میں وہ باضابطہ جلسۂ سیرت النبی ﷺ میں موجود تھے، انھوں نے ہی اجلاس کی صدارت فرمائی تھی، جب کہ دار العلوم میں طالبانِ علوم نبویہ سے خطاب اور ان کے دار العلوم کے لیے تاثرات بھی نوٹ کرنے کا شرف حاصل کیا تھا۔

ان کا پرکشش نورانی چہرہ، تابندہ پیشانی، دلکش داڑھی، متوازن قد و قامت اور سر اقدس پر سنتِ مصطفیٰ ﷺ کے مطابق عمامہ شریف۔ دور اندیش اور کم گو تھے، بزرگانہ لب و لہجہ، بولتے تھے تو ان کے لبوں سے پھول جھڑتے تھے، دین و سنیت اور ملک و ملت کے احوال پر کلام فرماتے تو ان کے علم اور دور اندیشی کا اندازہ ہوتا تھا، کشمیری مسائل پر گفتگو فرماتے تو اہلِ سنت کے درد سے ان کا چہرہ غم و اندوہ سے تمتمانے لگتا، جلسوں اور دیگر سنی تقریبات میں جلوہ گر ہوتے تو ان کے بزرگانہ انداز دل و دماغ کو متاثر کرتے۔

انھوں نے دورانِ گفتگو پاکستانی اکابرِ اہلِ سنت کا ذکر کیا تو لگا کہ پاکستان ہی میں بیٹھے ہوئے ہیں، وہ خاکِ ہند میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے بہت متاثر تھے، ملاقات کے بعد پہلے جامعہ کے حالات دریافت فرماتے، نام لے لے کر چند اساتذہ کی خیریت معلوم کرتے، ان کے دار العلوم میں چند مصباحی فضلا اساتذہ بھی تھے وہ ان کے کاموں سے بہت خوش رہتے، فرزندانِ اشرفیہ کے تعلق سے فرماتے، ماشاء اللہ بڑے باصلاحیت ہوتے ہیں اور کام کرنے کا جذبہ اور حوصلہ رکھتے ہیں، ان کی فرمائش ہوتی کہ آپ دو ایک فضلا کا اور انتخاب فرمادیں، ایک دو بار بھیجا بھی، ماشاءاللہ بہت خوش رہتے، موبائل سے بھی کبھی کبھی گفتگو کا شرف حاصل ہوتا۔ موصوف درس و تدریس، زبان و قلم اور وعظ و خطابت کا بھی بلند اور علمی ذوق رکھتے تھے، عالمی اور ملکی، سماجی اور سیاسی حالات پر بھی گہری نظر رکھتے تھے، اہل سنت کے داخلی مسائل پر حسّاس نگاہ رکھتے تھے۔

آپ کی ولادت باسعادت پلوامہ کے ملحقہ گاؤں بڈورہ میں ۶/ستمبر ۱۹۲۶ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم کے بعد آپ جامعہ عربیہ گوجرانوالہ پاکستان چلے گئے، اس کے بعد دار العلوم دیوبند میں بھی کچھ پڑھا مگر ایک لمحے کے لیے بھی آپ ان کے باطل عقائد سے متاثر نہیں ہوئے۔ اس کے بعد پھر آپ گوجرانوالہ پاکستان چلے گئے اور مختلف ملازمتوں میں رہ کر زندگی کا ایک مختصر حصہ گزارا اور اسی کے ساتھ دین و سنیت کی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ آپ ایک قدیم خانقاہی مزاج و فکر کے فردِ فرید تھے، آپ کی زندگی پر اس کے اثرات دور سے دیکھے جاسکتے تھے، آپ بعد میں پھر اپنے وطن کشمیر تشریف لائے اور دین و سنیت کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔

آپ نے ۱۹۹۳ء میں قصبہ پانپور میں دار العلوم شاہ ہمدان قائم فرمایا، آپ اس کے بانی ہونے کے ساتھ زندگی کے آخری دَم تک مہتمم اعلیٰ بھی رہے، یہ ادارہ ترقی کر کے "شاہ ہمدان میموریل ٹرسٹ" بن گیا۔ اسی ٹرسٹ کی جانب سے جنوری ۲۰۱۴ء میں "ماہنامہ المصباح" بھی جاری فرمایا۔ یہ جریدہ مسلسل ہمیں موصول ہوتا رہا، ادھر چند ماہ سے اس کی وصول یابی نہیں ہو رہی ہے۔ ماہنامے میں آپ کے فکر انگیز اور معلوماتی اداریے ہوتے، دیگر مضامین بھی علمی اور وقیع ہوتے، آپ اس ماہنامہ کے مدیرِ اعلیٰ تھے اور بڑے کمالِ فن کے ساتھ صحافیانہ ذمہ داریاں پوری فرماتے تھے۔ اس سے پہلے آپ "ماہ نامہ التبلیغ" اور "ماہنامہ ختم نبوت" کے بھی مدیر اعلیٰ رہ چکے تھے۔

آپ نے پلوامہ کے قریب ایک گاؤں "نگہامہ" میں بھی دو ادارے "مدرسہ غوثیہ ہمدانیہ" اور "مدرستہ البنات" بھی قائم فرمائے، ان دونوں اداروں کے بانی اور مہتمم اعلیٰ بھی آپ ہی تھے، ان کے علاوہ کشمیر کے کثیر اداروں کے آپ سرپرست تھے۔ یہ سب ادارے اب شدت سے آپ کی کمی محسوس کر رہے ہیں۔

آپ عالی نسب تھے، تصوف و روحانیت میں بھی بلند مقام رکھتے تھے، آپ بحیثیت سجادہ نشیں درگاہ قادریہ اندرابیہ (عارف باللہ سید احمد شاہ اندرابی علیہ الرحمہ) اپل جاگیر گوجرانوالہ پاکستان اکثر تشریف لے جاتے اور سجادہ نشیں کے فرائض انجام دیتے رہے، آپ نے گوجرانوالہ میں اپنے مرشد گرامی کے مزار شریف کے قریب ایک مدرسہ اور بڑی جامع مسجد بھی تعمیر کرائی۔.............. (باقی ص:۶ پر)

دہلی میں مسلک امام احمد رضا کانفرنس

رضا مسجد، گلی نمبر ۷ چوہان نگر نیو سلیم پور دلی-۵۳ میں عظیم الشان مسلک امام احمد رضا کانفرنس کا انعقاد ہوا، کانفرنس کی قیادت و صدارت دہلی کے معروف فقیہ حضرت مولانا مفتی محمد اقبال مصباحی خطیب و امام رضا مسجد نے فرمائی، آپ نے اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے، اب دہلی میں ہمارا ماضی پلٹ کر آرہا ہے، آزادی سے قبل ایک دور تھا، دہلی میں صرف اور صرف اہل سنت تھے، بعد میں چند رافضی آئے، انگریزوں نے اپنی عیاریوں سے حکومت پر قبضہ کیا، ان کا نشانہ صرف حکومت ہی نہیں تھا، بلکہ انھوں نے مسلمانوں کی سوچ اور فکر پر بھی حملہ کیا، اس وقت مجاہد آزادی علامہ فضل حق خیر آبادی نے جہاد کا فتویٰ دیا اور دہلی کی جامع مسجد کے گرد ایک لاکھ کے قریب سرفروش جمع ہو گئے تھے، ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہزار بار سجدۂ شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے بریلی شریف کی سرزمین پر ایک عظیم شخصیت کو پیدا فرمایا، اس عظیم مجدد و مفکر نے صرف قلم کے ہی ذریعہ نہیں بلکہ اپنے خلفا اور تلامذہ کے ذریعہ ایک جانب احقاقِ حق فرمایا اور دوسری جانب انگریزوں کے غلام مولویوں کو دنیا کے سامنے بے نقاب کر کے پیش کیا۔ ہم آج اس شخصیت کو امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کے نام سے جانتے ہیں۔ انھیں کے بتائے ہوئے فکر و عقیدہ مسلک اہلِ سنت و جماعت پر ہم نے "مسلکِ امام احمد رضا کانفرنس" کا انعقاد کیا ہے۔

کانفرنس کا آغاز تلاوتِ قرآن عظیم سے ہوا، نعتِ مصطفیٰ ﷺ قاری علی احمد شاہجہاں پوری نے متعدّد بار پیش کی، جب کہ نظامت کے فرائض مولانا انور علی مظفر پوری نے انجام دیے۔ حضرت مولانا افتخار قادری رضوی نے بھی بصیرت افروز خطاب فرمایا اور سامعین کو مسلکِ اعلیٰ حضرت کی روشنی میں اپنی زندگی گزارنے کا درس دیا، دہلی کے معروف خطیب حضرت مولانا اشفاق رضوی نے بھی مسلکِ امام احمد رضا کے موضوع پر ایک جامع خطاب فرمایا۔ آپ نے مختلف جہتوں سے خانوادۂ امام احمد رضا اور تعلیمات امام احمد رضا پر روشنی ڈالی۔

اجلاس کے خصوصی خطیب مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی مبارک حسین مصباحی اسٹیج پر جلوہ گر تھے، دہلی کے ان علاقوں میں آپ کے کثیر خطابات ہوئے ہیں، آپ نے ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ پر روشنی ڈالی اور خاص طور پر دہلی اور بریلی شریف کے اوراق تاریخ کے حوالے سے خطاب فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز نے تحریر فرمایا ہے کہ خاکِ ہند میں پانچ سو برس تک ہر مسلمان سنی صحیح العقیدہ تھا، آپ نے یہ تاریخی سچائی رسالہ ردِ روافض میں لکھی ہے، حضرت شیخ نظام الدین اولیا دہلوی کے عزیز ترین خلیفہ حضرت امیر خسرو نے فرمایا ہے کہ ہمارے عہد کے ہندوستان میں مسلمان تو اہلِ سنت ہی ہیں، مقامِ مسرت یہ ہے کہ اگر ہندوستان کے سمندروں اور دریاؤں کی مچھلیاں نکالی جائیں گی تو وہ بھی اہلِ سنت و جماعت نکلیں گی۔

آپ نے مزید فرمایا جب ہندوستان کے مذہبی حالات بگڑنے لگے اور انگریزوں کی غلامی کا پٹہ گلے میں ڈال کر مولوی لوگ جگہ جگہ بداعتقادی کا زہر پھیلانے لگے تو بریلی شریف کی سرزمین پر وہ عظیم اور عبقری شخصیت پیدا ہوئی جس نے اپنی کتابوں میں حقانیت کا سورج اگایا اور باطل پرستوں کو دھول چاٹنے پر مجبور کر دیا، بلا شبہہ مسلکِ اہلِ سنت و جماعت حق تھا، حق ہے، اور حق ہی رہے گا اور اسی کے مفہوم کی ترجمانی میں مسلک امام احمد رضا بولا اور لکھا جا رہا ہے، آپ نے بڑی تفصیل سے احوال و وقائع کی روشنی میں مسلکِ اہلِ سنت و جماعت کی حقانیت اور صداقت پر روشنی ڈالی۔ آپ نے دلائل کے ساتھ مسلکِ امام احمد رضا کی سچائی اور برتری کو ثابت فرمایا۔

اسٹیج پر موجود علما اور ائمۂ عظام مسرت و شادمانی میں ڈوبے ہوئے تھے، مولانا عبد الواحد، قاری عرفان، قاری صغیر احمد، سید خورشید انور، قاری معراج، مولانا عبد السبحان، مولانا انور قادری وغیرہ خصوصی منتظمین میں الحاج علاء الدین صدر رضا مسجد، الحاج محمد شمیم خاں خزانچی، عالی جناب وصی احمد ثقلینی، الحاج عبد الرحیم خاں وغیرہ بھی اپنے احباب کے ساتھ موجود تھے، صلاۃ و سلام کے بعد باضابطہ حضرت مولانا مفتی مبارک حسین مصباحی نے تفصیلی دعا فرمائی اور رقت خیز انداز سے سامعین نے آمین آمین کی صداؤں سے پورے ماحول کو متاثر کیا۔

از: محمد شمیم خاں خزانچی رضا مسجد دہلی

چھوٹے میاں کے عرس کی تقریب اور جلسۂ عید میلاد النبی ﷺ

حضرت عزیز ملت کو امام احمد رضا ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا

ماں باپ کے چہروں کو محبت کی نظر سے دیکھنے میں حج مبرور کا ثواب ملتا ہے والدین کی نافرمانی کرنے والا کہیں کامیاب نیں ہو سکتا، اگر کامیابی چاہیے تو والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو، مذکورہ خیالات کا اظہار مولانا

مسعود احمد برکاتی استاذ جامعہ اشرفیہ بارک پور نے منعقدہ عرس صوفی محمد شہاب الدین عرف چھوٹے میاں کے موقع پر جلسۂ عید میلاد النبی ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ مولانا امجد علی نظامی و مولانا نور الہدیٰ نظامی نے کہا کہ عرس کے موقع پر دینی اجلاس کے انعقاد سے لوگوں کو دینی باتیں سیکھنے کا موقع میسر آتا ہے۔ مفتی محمد صادق مصباحی نے کہا کہ علم دین سیکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، والدین کو چاہیے کہ بچپن میں ہی دیگر تعلیم سے بھی آراستہ کریں، مولانا محمد خالد رضا و مولانا غیاث الدین احمد مصباحی نے کہا کہ ہندوستان میں اسلام کی ترویج و اشاعت میں علما اور بزرگان دین کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے۔ شریعت مطہرہ پر مکمل طور پر عمل پیرا ہونے والے ہی اصل اللہ کے ولی کہلاتے ہیں۔ حضور کی سیرت میں تمام مسائل کا حل موجود ہے، اخیر میں عرس کمیٹی و پاسبان ملت کمیٹی رجسٹرڈ گورکھ پور کی جانب سے دینی و ملی خدمات کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دینے والے شہزادۂ حافظ ملت علامہ شاہ عبد الحفیظ مصباحی سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا ایوارڈ، مولانا فروغ احمد اعظمی پرنسپل دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی کو حضور مفتی اعظم ہند ایوارڈ، مولانا معین الدین قادری پرنسپل جامعہ رضویہ نور العلوم کو حضرت حافظ ملت ایوارڈ اور مولانا الحاج مسعود احمد برکاتی استاذ جامعہ اشرفیہ کو خواجہ غریب نواز ایوارڈ پیش کیا گیا۔ حضرت عزیز ملت علامہ شاہ عبد الحفیظ مصباحی نے لوگوں کو نماز کی مکمل پابندی کرنے اور برائیوں سے بچنے کی تلقین کی۔ آپ نے فرمایا

"نماز دین کا اہم ستون ہے، یہ دنیا کے تمام بالغ اور باشعور مسلمان مردوں اور عورتوں پر فرض ہے، ہمیں چاہیے کہ ہم خود بھی نماز پڑھیں اور قریب البلوغ بچوں کو بھی نماز کا عادی بنائیں۔

جلسہ میں مولانا مطلوب احمد قادری پرنسپل اشاعت الاسلام پرتاول قاری فرقان احمد، مولانا افروز احمد نظامی غوثیہ جامع مسجد، مولانا محمد شہاب الدین قادری، مولانا بدر الدین امجدی، مولانا امید علی صدیقی، مولانا طیب علی علیمی، مولانا اختر حسین افتخاری، مولانا شرافت علی قادری، قاری صدر عالم اشرفی، مولانا عبد المصطفیٰ خان مصباحی ناظم اعلیٰ مفتاح القرآن بیجولی، مولانا مسعود احمد مصباحی، مولانا عبد السلام قادری، فہیم بستوی، مولانا آس محمد مصباحی، قاری شاداب رضا، حافظ جان محمد قادری، ماسٹر محمد شمیم اشرفی، قیام الدین قریشی، حافظ عابد علی نوری سمیت کثیر تعداد میں علمائے کرام موجود تھے۔ اخیر میں مولانا منور حسین مصباحی، حاجی سیف الدین و ثناء اللہ پہلوان نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

از: نور الہدیٰ مصباحی، لکشمی پور، مہراج گنج

(ص:۵۳/ کا بقیہ)...... اتفاقاً یہ شب میلاد النبی ﷺ بھی تھا اور اگلے روز ۲۴/ تاریخ کی صبح ہسپتال سے رخصت ہو کر گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ راقم کو اس بارے میں صبح سویرے ہی معلوم ہوا تھا اس لیے پانپور میں جلوس میلاد النبی ﷺ میں شرکت کر کے فوراً حضرت کے دولت خانہ پر عیادت کے لیے پہنچ گیا جوں ہی کمرے میں داخل ہو کر میں نے سلام عرض کیا جواب سلام کے فوراً بعد حضرت نے سب سے پہلے فرمایا: "کیا پانپور میں جلوس میلاد النبی ﷺ نکلا ہے؟" میں نے اس بارے میں تفصیل سے عرض کیا۔ گویا اس بیماری کی حالت میں بھی حضرت کو میلاد النبی ﷺ کی کتنی فکر اور تڑپ تھی۔ بحر حال حضرت کی طبیعت اگرچہ دن بدن قدرے بہتر ہونے لگی مگر سردی کی وجہ سے طبیعت معمول پر نہیں رہتی۔ گھر والوں نے مشورہ کیا کہ حضرت کو سردی سے بچنے کے لیے جموں منتقل کیا جائے اور اپنی بیٹی اور فرزند نسبتی سید عبد الحمید اندرابی کے ہمراہ جموں میں لگ بھگ ڈیڑھ مہینہ گزارنے کے بعد پھر واپس گھر آ گئے لیکن حضرت کی طبیعت میں روز بروز جسمانی کمزوری ہونے لگی لیکن اُن کی یاداشت اور پہچان میں کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی۔

اسی دوران ۲۹ مئی ۲۰۱۶ء بروز اتوار شاہ ہمدان میموریل ٹرسٹ پانپور کی جانب سے ایک سیرت کانفرنس ٹرسٹ کے صحن میں منعقد ہوئی جس میں قائد اہل سنت کو ویل چیر پر لوگوں کی دیدار کے لیے لایا گیا تھا اس میں قائد اہل سنت نے کافی جسمانی کمزوری کے باوجود لگ بھگ ۲۰ منٹ پست آواز میں نصیحت فرمائی اور یہ قائد اہل سنت کا آخری خطاب ثابت ہوا۔ آخر کار خاندانِ ساداتِ اندرابیہ کا یہ مایہ ناز سپوت ۹ اگست ۲۰۱۶ء بمطابق ۵ ذی قعدہ ۱۴۳۷ھ بروز منگل دوپہر ۱ بج کر ۱۵ منٹ پر اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

نماز ظہر سے نماز عصر تک مختلف اطراف و اکناف سے لوگوں کا آنا ہوا کرفیو اور بندشیں ہونے کے باوجود ہزاروں کی تعداد میں لوگ جمع ہو گئے۔ بعد نماز عصر حضرت کے جسد مبارک کو غسل دیا گیا۔ غسل کے تمام لوازمات انجام دینے کے بعد ۶ بج کر ۴۵ منٹ پر ساداتِ اندرابیہ کے ہی ایک بزرگ ہستی محترم الحاج سید غلام محمد اندرابی نے نماز جنازہ کی پیشوائی فرمائی۔ اس کے بعد حضرت کی جسد مبارک کو ان کے آبائی مقبرہ جڈورہ میں ان کے جد امجد حضرت سید میر عثمان اندرابی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ کے پہلو میں اشک بھری آنکھوں سے دفن کیا گیا۔ ******